دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

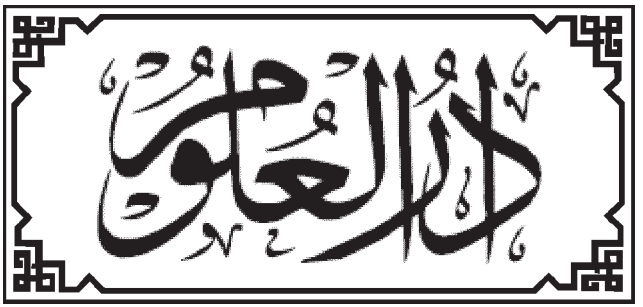

جلد: ۹۷	جمادی الاثانیہ ۱۴۳۴ھ مطابق اپریل ۲۰۱۳ء	شمارہ: ۴

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپے، سالانہ -/۱۵۰ روپے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	اعادۂ صلاۃ بترک واجب میں نو وارد مُفتَرِض کی اقتدار	مولانا مفتی رشید احمد فریدی	۶
۳	اسلام اور سلام	مولانا عبداللطیف قاسمی	۱۷
۴	مصنوعی بار آوری: صورتیں اور احکام	مفتی محمد اسد اللہ آسامی	۲۵
۵	تصوف میں مجدد الف ثانیؒ کا تصور	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۳۰
۶	مجاہد جلیل حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ....	ڈاکٹر رشید الوحیدی قاسمی	۳۵
۷	وشو (عالم) کو گُروپ (بدصورت) بنانے کی....	ڈاکٹر ایم اجمل	۴۷
۸	موبائل کی کہانی خود اس کی زبانی	مولانا عمران پٹیل فلاحی	۵۱
۹	تعارف وتبصرہ	مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۵۴

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ہمارے ملک ہندوستان کو بجاطور پر دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا اعزاز حاصل ہے، جمہوریت کی مستحکم و پائیدار روایت کے سبب کوئی بھی طاقت مطلق العنان نہیں ہوسکتی، اس کے باوجود کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی جزوی واقعہ یا فرد کے ناروا اور ناپسندیدہ عمل کو سامنے رکھ کر پورے فرقہ کو نشانہ بنادیا جاتا ہے، یہ روش اور وطیرہ کبھی سیاسی حکمت عملی، کبھی سرکاری افسران کی بداعمالیوں اور کبھی دیگر اعلیٰ اداروں کے افراد کی بددیانتی کی بناء پر فروغ پارہا ہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے یہ رویہ اس قدر قوی ہوگیا ہے کہ تمام سماجی رویوں کو متاثر کرنے لگا ہے، اس کی بدترین مثال دہشت گردی کے نام پر سرکاری ایجنسیوں کی کارروائیاں ہیں، جن کا نشانہ بطور خاص ملک کی سب سے بڑی اقلیت بنی ہوئی ہے۔ ہماری حکومتوں کی اس عادت بد نے کہ وہ ملک کے دستور، اس کے سیکولر نظام، اور قانون وانصاف کی بجائے بیرونی طاقتوں کے چشم وابرو کو دیکھتی ہیں، صورت حال کو مزید سنگین بنادیا ہے کہ دہشت گردی کے عنوان سے پوری قوم مسلم کو مشکوک ومشتبہ بنانے کی شرمناک اور مجرمانہ پالیسی کو بروئے کار لانے کے لئے سرکاری اہل کار سرگرم ہیں، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، شیوسینا جیسی کھلی مسلم دشمن تنظیموں کی پالیسیاں سب کو معلوم ہیں، لیکن سیکولرزم اور جمہوریت پر یقین کا دعویٰ کرنے والے اور اقلیتوں کی بہی خواہی کا دم بھرنے والے جب اس سازش میں ملوث ہوجائیں تو یقیناً ہم کو زیادہ چوکنا ہونا پڑے گا، اور از سرنو اپنے طرز فکر کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔

ملک میں قائم دینی مدارس صرف علم دین ہی کے محافظ نہیں بلکہ انسانیت، اخلاق، تہذیب و

شرافت، حب الوطنی اور وفاداری کے مضبوط قلعے ہیں، یہی ایثار وقربانی کے وہ مراکز ہیں جہاں سے جہادِ آزادی کی تحریک کو اصل سرمایہ ملا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، سید احمد شہید بریلوی، مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا عبدالحئ بڈھانوی، مولانا محمد جعفر تھانیسری، مولانا سید نصیرالدین دہلوی، مولانا ولایت علی صادق پوری، مولانا عنایت علی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا احمداللہ شاہ، مولانا سرفراز علی گورکھپوری، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا عبدالقادر لدھیانوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ تھانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود حسن شیخ الہند، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الاسلام، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد شاہد ناصری، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، وغیرہ مجاہدین آزادی جن کی فہرست بڑی طویل ہے، انھیں دینی مدارس کے ساختہ پرداختہ تھے، جنھوں نے نہ صرف انگریزوں سے مقابلہ کیا بلکہ دوسروں کے اندر بھی اس کا جذبہ پیدا کیا، ملک عزیز کے لئے خود تڑپے اور دوسروں کو بھی تڑپایا، ملک کی عزت وآزادی کی خاطر ہر قربانی دی، اور دوسروں کو قربانی کا حوصلہ بخشا۔

یہ مدرسے صدیوں سے قائم ہیں، حکومتیں آئیں اور چلی گئیں، بساط سیاست بچھی اور لپیٹ دی گئی، لیکن حق وصداقت اور انسانیت وشرافت کے یہ قلعے محفوظ رہے، اور انشاء اللہ آئندہ بھی محفوظ رہیں گے۔

اب اگر انھیں مدارس کو دہشت گردوں کا اڈہ بتایا جائے گا، ان پر قدغن لگانے کے لئے ان کی فہرست تیار کرائی جائے گی، ان سے منسلک طلبہ وعلماء کو بیجا طور پر پریشان کیا جائے گا اور بغیر کسی معتبر ثبوت کے انھیں دہشت گردی کا مجرم ٹھہرایا جائے گا تو یہ قانون وانصاف کے خلاف ایسا گھناؤنا اور بدترین جرم ہوگا جسے کسی طرح برداشت نہیں کیا جائے گا، ان مدرسوں کے طلبہ کی شرافت، انسانیت اور بلند اخلاق کا اعتراف ہر ضلع اور شہر کے حکام کو ہے، ان مدارس کا کوئی طالب علم نہ بسوں کے شیشے توڑتا ہے، نہ ریلوں کی چین پلنگ کرتا ہے، نہ پتھر چلاتا ہے نہ کسی پر بیجا ہاتھ اٹھاتا ہے، نہ اس نے کسی مندر کو توڑا، نہ دھرم شالہ کو، اس نے احتجاج اور مظاہروں کے عام طریقوں کو بھی اختیار نہ کیا پھر بھی اس پر الزام تراشی، اس کو بدنام کرنے اور قومی مجرم بنانے کی

سازش حکومت اوراس کے اہل کاروں کا مجرمانہ کردار اور بجائے خود ایک دہشت گردانہ کارروائی ہے۔ کیا حکومت کے ذمہ داروں کو ملک میں لاکھوں نہتے، اور بے گناہ مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کرنے والے مجرم دکھائی نہیں دیتے، کیا انہیں بابری مسجد شہید کرنے والوں کی دہشت گردی اور درندگی نظر نہیں آتی، دہشت گردوں کو تلاش کرنا ہے تو کورٹ سے ان مجرموں کی فہرست طلب کی جائے جنھوں نے گجرات جیسے پرامن صوبہ میں بربریت اور شقاکیت کا ایسا ننگا ناچ کیا جس سے چنگیز اور ہٹلر کی روحیں بھی شرمسار ہوئے بغیر نہیں رہ سکی ہوں گی۔ دہشت گردوں کو تلاش کرنا ہے تو آرایس، ایس، وشوہندو پریشد اور شیوسینا کے اداروں میں تلاش کیا جائے، اور کیا بعید ہے کہ دہشت گرد خود انتظامیہ میں چھپے ہوں، اس لیے اگر واقعی ملک سے دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے اہل اقتدار سنجیدہ ہیں تو انھیں صرف ایک خاص فرقہ پر نظر مرکوز کرنے کے بجائے گردوپیش پر بھی نظر ڈالنی چاہیے، اس لیے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنی دہشت گردی کا سبق پرامن شہریوں کو نہ پڑھایئے ورنہ اس رویہ سے نہ صرف ملک کا امن وامان تباہ ہوگا؛ بلکہ سیاست کے ایوانوں میں عیش وعشرت کی زندگی گذارنے والوں کا چین وسکون بھی غارت ہوجائے گا اور جس کرسی کے نشہ میں آج بے گناہوں پر ظلم وبربریت کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، اس کرسی سے بھی ہاتھ دھونا پڑسکتا ہے۔

دنیا ہے اس کی شاہد اس شہر بے اماں نے
جس میں میں انا سمائی وہ سر کچل دیا ہے

❁ ❁ ❁

اعادۂ صلاۃ بہ ترکِ واجب میں نو وارد مُفتَرِض کی اقتدار

از: مولانا مفتی رشید احمد فریدی

فرض نماز اس طرح ادا کی گئی کہ کوئی واجب سہواً ترک ہوگیا، اگر سجدۂ سہو کرلیا گیا تو نماز بالکل ادا ہوگئی، کوتاہی کی تلافی بھی ہوگئی اور ذمہ سبک دوش ہوگیا۔ سلامِ قطع سے پہلے حرمتِ صلاۃ جو تکبیرِ تحریمہ سے ثابت ہوئی تھی وہ باقی ہے؛ اس لیے اگر سجدۂ سہو کے بعد کوئی نو وارد شخص اقتدار کرنا چاہے تو کرسکتا ہے ”وَأجمَعُوا عَلٰی أنَّهٗ لَوْ عَادَ إلٰی سُجُوْدِ السَّهْوِ ثُمَّ اقْتَدیٰ بِهٖ رَجُلٌ يَصِحُّ اقْتِدَاءُهٗ بِهٖ“. (بدائع ج ۱ ص ۱۴۷) اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا اور سلام پھیر دیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اعادۂ نماز سے مقصود نقصان کی تلافی ہے، پس معادہ نماز سے جبر ہوگیا اور ذمہ بالکل فارغ ہوگیا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ مکلّف کے ذمہ جو فرض الوقت تھا، اس فرض سے ذمہ سبک دوش ہوا؛ مگر صلاۃِ اولیٰ سے یا ثانیہ (اعادہ) سے؟ اگر اعادہ صلاۃ وقت گذرنے کے بعد کیا تب تو بالاتفاق ذمہ پہلی نماز سے ساقط ہوگیا ہے اور اس معادہ نماز کی حیثیت نافلہ کی ہوگی اور اگر اعادہ قبل ختم الوقت ہے، تب بھی جمہور فقہاء کے نزدیک ذمہ پہلی نماز سے ساقط ہوا؛ چونکہ رکن یا شرط فوت نہ ہونے کی وجہ سے پہلی نماز فرض ہی ادا ہوئی ہے؛ اس لیے سقوطِ فرض اعادہ پر موقوف نہیں رہا اور معادہ نماز فرض کے مقابلہ میں نفل کہلائے گی؛ اس لیے کہ تکرارِ فرض مشروع نہیں ہے۔

(۱) وَوَجَبَ عَلَيْهِ إعَادَةُ الصَّلاَةِ بِجَبْرِ نَقْصِهَا فَتَكُوْنُ مُكَمِّلَةً وَسَقَطَ الْفَرْضُ بِالْأولیٰ (مراقی)

(۲) وَالْمُخْتَارُ أنَّ الْمُعَادَةَ لِتَرْكِ وَاجِبٍ نَفْلٌ جَابِرٌ وَالْفَرْضُ سَقَطَ بِالْأُوْلیٰ لِأنَّ الْفَرْضَ لَا يَتَكَرَّرُ (طحطاوی علی المراقی)

(۳) وَالْمُخْتَارُ أَنَّ الْفَرْضَ هُوَ الْأَوَّلُ وَالثَّانِيْ جَبْرٌ لِلْخَلَلِ الْوَاقِعِ فِيْهِ (غنية المستملی شرح منية المصلی)

(۴) وَالْمُخْتَارُ أَنَّهَا جَابِرٌ لِلْأَوَّلِ لِأَنَّ الْفَرْضَ لَايَتَكَرَّرُ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ (الدار المنتقی فی هامش مجمع الانهر ص ۱۳۳)

(۵) وَلَا إِشْكَالَ فِيْ وُجُوْبِ الْإِعَادَةِ إِذْ هُوَ الْحُكْمُ فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ أُدِّيَتْ بِكَرَاهَةِ التَّحْرِيْمِ وَيَكُوْنُ جَابِرًا لِلْأَوَّلِ لِأَنَّ الْفَرْضَ لَا يَتَكَرَّرُ (حاشيه الشلبی علی تبيين الحقائق ص ۲۷۷ عن فتح القدير)

(۶) قَوْلُهُ "اَلْمُخْتَارُ أَنَّهُ" أَيِ الْفِعْلُ الثَّانِيْ جَابِرٌ لِلْأَوَّلِ بِمَنْزِلَةِ الْجَبْرِ بِسُجُوْدِ السَّهْوِ وَالْأَوَّلُ يَخْرُجُ بِهِ عَنِ الْعُهْدَةِ وَإِنْ كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْكَرَاهَةِ عَلَى الْأَصَحِّ. (رد المحتار)

صلاۃ ثانیہ (معادہ نماز) کا صلاۃ اولیٰ کے لیے جابر اور مکمل ہونا نیز پہلی نماز سے فرض کا ساقط ہوجانا جمہور کے نزدیک گویا مسلّم ہے اور علامہ شامیؒ نے بھی اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ پس نووارد شخص کی شرکت اعادۂ صلاۃ میں جمہور کے مختار واصح قول کے مطابق درس نہیں ہے۔

(۱) چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے اولین مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے یہی فتویٰ دیا۔ ملاحظہ ہو، سوال..... جواب: اس صورت میں اس کی نماز صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں اس جماعت کے فرض اگرچہ ناقص رہے؛ مگر ادا ہوگئے، لہٰذا اب یہ دوسری نفل ہوگی اور مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے صحیح نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج ۳، ص ۲۴۶)

(۲) مفتی اعظم وصدر جمعیۃ العلماء ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: جواب: اُن لوگوں کی نمازِ فرض ادا نہیں ہوئی جو اعادہ والی نماز میں آکر شریک ہوئے اور پہلے وہ شریکِ جماعت نہ تھے۔ (کفایت المفتی ج ۳، ص ۹۸)

(۳) اور فقیہ الامت مفتی اعظم ہند ودارالعلوم دیوبند حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہ نے بھی یہی فتویٰ لکھا ہے، ملاحظہ ہو: ''حامداً ومصلیاً ومسلماً'' اگر فرض ترک ہونے کی بنا پر اعادہ ہوا ہے تو اس میں شریک ہونا نئے آدمی کا درست ہے؛ کیونکہ پہلی نماز باطل ہوگئی اور اگر ترکِ واجب کی وجہ سے اعادہ ہوا ہے تو نئے آدمی کی شرکت درست نہیں؛ کیونکہ فرض پہلی نماز سے ادا ہوچکا ہے اور یہ صرف تکمیل ہے اَلْمُعَادَةُ لِتَرْكِ وَاجِبٍ نَفْلٌ وَالْفَرْضُ سَقَطَ بِالْأُوْلٰى

طحطاوی، ص ۱۳۴۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۴۴، ج ۶ نسخہ پاکستان)

(۴) فقیہ النفس مفتی اعظم گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ تحریر فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ جو نماز پہلے پڑھی تھی وہ بیکار نہیں گئی، وہ اس درجہ میں قائم رہی کہ فرض ساقط ہوگیا؛ کیونکہ اس نماز کے سارے ارکان ادا ہوگئے، صرف ایک واجب رہ گیا تھا اس کے فوت ہونے سے نماز میں جو کمی رہی ہے، اس کی تکمیل کے لیے اعادہ کا حکم ہے، یہ اعادہ کردہ نماز بہ منزلۂ سجدۂ سہو ہے، جس طرح سجدۂ سہو سے کمی و نقص دور ہوتا ہے، اسی طرح نماز کے اعادہ سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ (اعادہ کردہ) نماز اصل اور مستقل نماز نہیں ہے؛ لہٰذا جو شخص پہلی نماز یعنی جماعتِ اول میں شامل نہ ہو وہ اگر اس دوسری میں شریک ہوگا تو اس کا فرض رہ جائے گا، یعنی اس کی اصل نماز ادا نہ ہوگی۔ الخ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱، ص ۱۹۸)

تحقیق وتجزیہ

نماز کے ارکان وشرائط پورے ہونے پر فرض پورا ہوجانا حدیث سے ثابت اور فقہاء کے نزدیک مسلّم ہے، اگرچہ اس میں کسی درجہ میں نقص بھی موجود ہو؛ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا "کیف بکم اذا اتت علیکم امراء یصلون الصلوٰۃ بغیر میقاتھا قلت فما تأمرنی اذا ادرکنی دلك یا رسول اللّٰہ قال صل الصلوٰۃ لمیقاتھا واجعل صلاتك معھم سبحۃً (باب اذا اخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت ص: ٦٢) ترجمہ: تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے امراء مسلط ہوں گے، جو نماز کو اس کے (مستحب) وقت سے مؤخر کرکے پڑھیں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں جب وہ زمانہ مجھے پالے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو اس کے (مستحب) وقت میں پڑھ لو اور امراء کے ساتھ اپنی نماز کو نفل بنالو۔

محشی ابوداؤد حضرت مولانا محمد حیات سنبھلیؒ مذکورہ حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: "وفیہ الصلوٰۃ التی یصلیھا مرتین تکون الاولی فریضۃ والثانیۃ نفلا وھذا الحدیث صریح فی ذلك وقد جاء التصریح فی غیر ھذا الحدیث ایضاً کما فی روایۃ لمسلم "واجعلوا صلاتکم معھم نافلۃ" وللعلماء فیہ اربعۃ اقوال بینھا النووی فی شرحہ لمسلم اصحھا ان الفرض ھی الاولیٰ للحدیث وبہ قال ابو حنیفۃؒ۔ یعنی نماز جو دو مرتبہ ادا کی گئی، تو پہلی نماز

فرض ہوگی اور دوسری نفل۔ یہ حدیث بالکل صریح ہے اس کے علاوہ دوسری حدیث میں بھی صراحت ہے جیسے مسلم شریف کی روایت میں ''واجعلوا صلاتکم معھم نافلة'' کا لفظ ہے، علماء کے اس میں چار اقوال ہیں جن کو امام نوویؒ نے شرح مسلم میں بیان کیا ہے۔ اصح قول یہی ہے کہ فرض نماز پہلی ہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں۔ (حاشیہ: ۱۸ ابوداؤد) اور بعض روایت میں وضاحت کے ساتھ یہ تقسیم وارد ہے کہ جو نماز بعد میں پڑھی گئی وہ نافلہ ہے اور جو پہلے ادا کی گئی وہ مکتوبہ ہے۔ (ابوداؤد)

(۱) خروج بصنعہ کے فرض نہ ہونے پر جس مشہور حدیث سے احناف استدلال کرتے ہیں اس میں مقدار تشہد قعدہ کر لینے پر فقد تمت صلاتك کا لفظ مصرح ہے، یعنی فرض کوئی باقی نہیں رہا پس سلام بھی واجب ہے فرض نہیں ہے۔

(۲) تعدیلِ ارکان جو کہ علامہ ابن ہمام کی ترجیح کے مطابق واجب ہے اگر ترک کر دیا تو احناف کے نزدیک فرض کا ادا ہو جانا متفق علیہ ہے اور حدیث ارجع فَصَلِّ فانك لم تُصَلِّ کو نفی کمال پر محمول کرتے ہیں۔

(۳) فرض نماز میں قعدۂ اخیرہ کر کے سہواً کھڑا ہو گیا تو جمیع کتب فقہ میں یہ لفظ ''تم فرضه'' منقول ہے، یعنی فرض مکمل ہو گیا، البتہ تاخیر سلام کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے۔

(۴) امام اگر فاسق مُعلِن ہے، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور واجبات میں سے کوئی بھی واجب ترک نہ ہوا ہو پھر بھی اعادہ واجب ہے، پس فرض ادا ہو جانے کے باوجود امام مبتدع کی وجہ سے ایسا نقص لاحق ہوا کہ اس کی تلافی کے لیے اعادہ کا حکم دیا گیا۔

(۵) اہل اصول نے تنہا فرض پڑھنے کو ادائے ناقص اور مسجد میں باجماعت پڑھنے کو ادائے کامل بتایا ہے، پس اگر مسجد کے پڑوسی نے گھر میں تنہا فرض پڑھ کر وہی نماز باجماعت مسجد میں پڑھی تو یہ نماز اس کی بالاتفاق نفل ہوگی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے ایسے شخص کے لیے جماعت میں شرکت کو فجر وعصر اور مغرب میں ممنوع قرار دیا ہے۔

(۶) جو نماز کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی گئی، اس کا اعادہ مستحب ہے اور اعادہ کی صورت میں لوٹائی ہوئی نماز بلاتردد نفل ہوگی کوئی بھی فقیہ اس اعادہ کی ہوئی نماز کے فرض ہونے کا قائل نہیں ہے؛ حالانکہ اعادہ کی وجہ سے نیت، مقدار قرأت اور جماعت کا حکم سب قبل الاعادہ نماز کی طرح ہے۔

مذکورہ مسائل میں غور فرمائیں کہ اعادہ خواہ واجب ہے یا مستحب محض جبر نقصان کے لیے

ہے نہ کہ از سرِ نو فرض ادا کرنے کے لیے، یہی وجہ ہے کہ سقوطِ ذمہ بالاتفاق اعادہ پر موقوف نہیں ہے اور جب فرض ادا ہوجانے کی صورت میں ذمہ سبک دوش ہوگیا تو اعادہ کی ہوئی نماز کی حیثیت نفل کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ نیز سقوطِ فرض کے بعد لوٹائی ہوئی نماز کے نفل ہونے کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض نماز میں فساد یعنی ترکِ رکن یا شرط کی وجہ سے جب فرضیت باطل ہوجاتی ہے، مثلاً قعدہ اخیرہ سہواً ترک کرکے کھڑا ہوگیا اور پھر رکعت زائدہ کو سجدہ کے ساتھ مقید کرلیا تو فرضیت باطل ہوگئی یا مثلاً صاحب ترتیب نے فائتہ کے یاد ہوتے ہوئے وقتیہ پانچ نمازیں ادا کرلیں اب اگر چھٹی سے پہلے فائتہ کی قضا کرتا ہے تو وقتیہ باطل ہوگئیں؛ مگر مشائخ فرماتے ہیں کہ صرف فرضیت باطل ہوئی نفلیت باقی ہے۔ معلوم ہوا کہ فرضیت کے ختم ہوجانے سے شیخینؒ کے نزدیک اصل صلاۃ کا بطلان نہیں ہوتا "کما فی کتب الفقه" گویا نماز کی ادنیٰ حیثیت مطلق نفعل سے عبارت ہے؛ لہٰذا فرض ادا ہوجانے کے بعد اعادہ کے ذریعہ وجود میں آنے والی نماز کی حیثیت نفل سے زائد نہیں ہے۔ مزید براں فرض کے نقصان کا تدارک اگرچہ وہ نقص ترک واجب کے علاوہ کسی اور طریق سے ہو نفل کے ذریعہ ہونا یوم آخرت میں حدیث پاک سے ثابت ہے۔ حاصل یہ کہ معادہ نماز نفل ہے اور نو وارد کی نماز فرض۔ فلا یصح اقتداء المفترض خلف المتنفل۔ یہ امر اوّل ہوا۔

البتہ اعادہ کا واجب ہونا، اعادہ بنیۃ فرض ہونا، اعادہ باجماعت مشروع ہونا، قرأت کا فقط دو رکعت میں ہونا یہ سب قرائن ہیں فرض ہونے کے جس پر لفظِ اعادہ دلالت کرتا ہے، غالباً اسی وجہ سے بعض فقہاء معادہ کے فرض ہونے کے قائل ہیں۔ اب اگر امر اوّل کے ساتھ اِس امر کا لحاظ کریں تو نتیجہ برآمد ہوگا کہ معادہ دو حیثیتوں کی جامع ہے اور یہی تطبیق کی اچھی شکل ہے کہ معادہ ظاہراً وصورتاً فرض ہے اور حقیقتاً ومعناً نفل ہے اور بطور تائید یہ نظیر ملاحظہ ہو کہ صلاۃ الطّواف حقیقتاً نفل ہے اسی وجہ سے بعد العصر والفجر اس کا ادا کرنا عند الاحناف ممنوع ہے اور اداءً واجب ہے کہ اس کا ترک جائز نہیں، وغیرہ۔ اِس صورت میں معادہ اگر کامل نفل نہیں ہے تو کامل فرض بھی نہیں ہے اور جو شخص صلاۃ اولیٰ میں شریک نہیں تھا اس کے ذمہ جو وقتیہ ہے وہ من کل الوجوہ یعنی صورۃً ومعناً فرض ہے پس اعادہ میں امام کا رتبہ نووارد سے ادنیٰ ہوا؛ لہٰذا اس صورت میں بھی اقتداء صحیح نہیں ہے۔ یہ امر ثانی ہوا۔

اور اگر بقول بعض صلاۃ ثانیہ (معادہ) ہی کو فرض مانا جائے تو کئی اشکالات وارد ہوتے ہیں:

(۱) فرض اوّل کا بغیر ترک رکن شرط کے باطل ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔ اس کا حل یہ پیش کیا گیا کہ وہ فرض بعد الوقوع کے قائل ہیں۔ لان القائل بان الفرض هو الثانية اراد به بعد الوقوع والا لزم الحكم ببطلان الاولىٰ بترك ما ليس بركن ولا شرط (شامی)

(۲) صلاۃ ثانیہ کو فرض کہنے سے دوسرا اشکال یہ ہے کہ فرض اوّل سے گویا ذمہ ساقط نہیں ہوا؛ جبکہ نماز تمام ارکان وشرائط کے ساتھ ادا کی گئی تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ذمہ تو فرض اوّل سے ہی ساقط ہوگیا ہے۔ ولا يلزم من كونها فرضاً عدم سقوط الفرض بالاولىٰ (شامی)

(۳) جب ذمہ فرض اوّل سے ساقط ہوگیا تو ثانیہ کو فرض قرار دینے سے الفرض لا يتكرر فی وقت واحد کے خلاف لازم آئے گا۔ علامہ شامی اس کا حل اور دونوں قولوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صلاۃ اولیٰ کو فرض ناقص اور ثانیہ کو فرض کامل کہا جائے اور اس کے نظائر پیش کیے ہیں۔

لیکن اس صورت میں بھی نو وارد کی شرکت صلاۃ معادہ میں کیسے درست ہوگی؟ کیونکہ جب ذمہ ساقط ہوگیا تو صلاۃ ثانیہ جس کی ادائیگی اگرچہ کامل ہے؛ مگر فرضیت کی شان باقی نہیں ہے ورنہ بغیر اعادہ یا بغیر قضا کے ذمہ سبک دوش نہ ہوتا اور علی سبیل التسلیم صلاۃ ثانیہ کی فرضیت میں نفلیت کی آمیزش ہے؛ جبکہ نو وارد کی وقتیہ نماز جو اس کے ذمہ ہے وہ قطعاً اور خالصاً فرض ہے، پس اقتدار کی صورت میں نو وارد کا تحریمہ اعلیٰ ہوگا اور امام کا تحریمہ ادنیٰ۔

شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی نے اعادۂ صلاۃ کے متعلق فرضیت کی بحث اور تطبیق پیش کی ہے؛ مگر صلاۃ معادہ میں نو وارد مفترض کی جوازِ اقتدار پر کوئی کلام نہیں کیا اور نہ کسی فقیہہ سے صحتِ اقتدار کا قول نقل کیا ہے۔

البتہ کوئی شخص سجدۂ سہو کے بعد سلام انقطاع سے پہلے اقتدار کرے تو بالاتفاق صحیح ہے جیسا کہ فقہاء نے صراحتاً ذکر کیا ہے؛ کیونکہ امام کا تحریمہ فرض جو ابتداءً قائم ہوا تھا وہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے؛ لہٰذا نو وارد کی شرکت امام کے تحریمۂ اوّل میں ہی پائی گئی۔ چنانچہ مفتی اعظم ہند ودارالعلوم دیوبند حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں ”اعادہ جبر نقصان کی وجہ سے واجب ہے؛ لہٰذا ابتداءً فرض پڑھنے والے کو اس کا اقتدار کرنا صحیح نہیں“ (فتاویٰ محمودیہ ج۶ ص۴۴۴)

خلاصہ یہ کہ جو فرض نماز ارکان وشرائط کے ساتھ ادا کی گئی اگرچہ نماز میں داخل یا خارج سے نقص لاحق ہونے پر جبر نقصان کے لیے سجدۂ سہو یا اعادہ کا حکم دیا گیا ہے، اس فرض سے ذمہ کا

سبک دوش ہوجانا بالکل مسلّم اور یقینی ہے، پس اعادہ کی جانے والی نماز وہ فرض نہیں ہے جس سے ذمہ مشغول ہو، لہٰذا نو وارد کی اقتداء معادہ نماز میں صحیح نہیں ہے، اگر اقتداء کی تو فریضہ ساقط نہیں ہوگا اور از سرِ نو فرض ادا کرنا ہوگا۔

اتماماً للفائدہ عرض ہے کہ اعادۂ صلوٰۃ میں مسبوق کی شرکت کی چند صورتیں ہیں: حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ کے حوالہ سے یہاں پیش کرتا ہوں۔ جس فرض نماز میں امام سے سہواً واجب ترک ہوگیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا، ایسی نماز میں اگر کوئی مسبوق ہو تو:

(۱) اگر مسبوق نے پہلے اپنی بقیہ نماز بغیر سجدۂ سہو کے پوری کی پھر امام کے ساتھ معادہ نماز میں شریک ہوا تو اس کی نماز بالکل صحیح ہوگئی۔

(۲) اور اگر مسبوق نے اپنی نماز پوری کی اور سجدۂ سہو بھی کیا (حالانکہ جب امام نے نہیں کیا تو مسبوق کو بھی وہ سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہیے تھا، رشید) پھر معادہ نماز میں شریک ہوگیا، تو نماز صحیح ہوگئی مع الکراہۃ۔

(۳) اور اگر مسبوق نے اپنی نماز توڑ کر معادہ نماز میں شرکت کی ہے تو جمہور کے نزدیک یہ درست نہیں ہے (اسے پھر اپنی فرض نماز دہرانی ہوگی)۔

(۴) اور اگر امام کی پہلی نماز فاسد ہوگئی تھی اس لیے اعادہ کیا جارہا ہے تو اس میں نو وارد کی شرکت بھی درست اور مسبوق کا اپنی نماز توڑ کر شریک ہونا بھی درست سب کی نماز صحیح ہوگئی۔

(فتاویٰ محمودیہ، ج ۶ ص ۴۴۳ نسخہ پاکستانی)

❁ ❁ ❁

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد:

ایک علمی تحریر جناب مولانا عرفان صاحب زید مجدہم امام مسجد عمر خاں مظفرنگر کی جس کا عنوان ہے ''تکرواجب کی بناء پر معادہ نماز میں نو وارد کی شرکت'' فقہی عبارتوں اور لغوی حقائق اور منطقی طرز کلام اور استدلال پر مشتمل ہے۔ یہ مضمون حضرت مولانا نورالحسن راد کاندھلوی دامت برکاتہم نے شعبان ۱۴۳۲ھ میں ناچیز کو عنایت فرمایا کہ تمہیں اس پر کچھ لکھنا ہے۔ بندہ نے ایک نظر ڈال کر دیگر مصروفیات کی وجہ سے گوشۂ خمول میں رکھ دیا اور اب طویل وقفہ کے بعد اس پر کچھ لکھنے کی توفیق میسر آئی وللہ الحمد۔

صاحب تحریر کا مدعا جس کو انھوں نے مسئلہ کے تحت ذکر کیا ہے یہ ہے ''اگر امام صاحب نے

ترک واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ کیا تو جو شخص پہلی جماعت میں شامل نہیں تھا دوسری جماعت میں شامل ہونے سے اس نئے شخص کی نماز صحیح ہوجائے گی یہ دوسری نماز فرض ہی واقع ہوگی'' پھر موصوف نے کئی صفحات میں صلاۃ ثانیہ (معادہ) کے فرض ہونے پر مختلف نظائر سے استدلال کیا ہے؛ مگر فقہائے عظام کی صریح عبارتوں اور فحوائے کلام کو ملحوظ رکھ کر جب تحریر پر گہری نظر ڈالی گئی تو معلوم ہوا کہ معادہ کے فرض ہونے کو تسلیم کرلینے کے باوجود موصوف نے نو وارد کی صحتِ اقتداء کا جو حکم لگایا ہے، تحریر اس کو ثابت کرنے سے قاصر ہے؛ البتہ صاحب تحریر نے تعریف وتوصیف سے بلند ہوکر حقیقت پسندانہ رائے طلب فرمائی ہے، اس لیے اولاً مسئلہ کی صحیح صورتِ حال بالتفصیل پیش کی گئی اور ثانیاً یہ چند سطور بطور خلاصہ آں موصوف کی توجہ مبذول کرنے کے لیے سپردِ قلم کیے جارہے ہیں۔

(۱) آں محترم نے پوری تحریر میں صلاۃ ثانیہ (معادہ) کے فرض ہونے کی حیثیت کو متعدد طریقوں سے ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے، چنانچہ لفظ ''وجوب اعادہ'' کے لغوی معنی اور حقیقت سے استدلال کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ اعادہ کے وجوب وعدم وجوب ہی کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں تین اقوال ہیں: (۱) اعادہ قبل مضیٰ الوقت واجب ہے اور بعد الوقت مستحب ہے۔ (۲) قبل الوقت و بعدہ دونوں صورت میں مستحب ہے۔ (۳) دونوں وقت میں اعادہ واجب ہے اور راجح قول یہی ہے کہ اعادہ مطلقاً واجب ہے۔

(۲) اعادہ واجب ہونے کی صورت میں دوسرا اختلاف صلاۃ ثانیہ (معادہ) کی حیثیت میں ہے؛ چنانچہ (الف) جمہور فقہاء کے نزدیک نفل ہے؛ کیونکہ صلاۃ اولیٰ (میں شرائط وارکان مکمل ہونے کی وجہ) سے فرض ادا ہوکر ذمہ سبک دوش ہوچکا ہے؛ بلکہ علامہ کبیری نے الفرض و الاوّل کہہ کر معادہ کو حتماً نفل قرار دیا ہے۔ علامہ شامی جمہور کے ساتھ ہیں، وہ لکھتے ہیں: سقط الفرض بالاولی وان کان مع الکراھۃ اس کے بالمقابل (ب) فقیہ ابوالیسر وغیرہ کہتے ہیں الفرض ھو الثانی کہ ثانیہ ہی فرض ہے اور صلاۃ اولیٰ کی فرضیت باطل ہوکر نفل رہ جائے گی۔ علامہ شامی نے مذکورہ دونوں اقوال میں یوں تطبیق پیش کی ہے کہ صلاۃ اولیٰ کو فرض ناقص اور ثانیہ (معادہ) کو فرض کامل کہا جائے تاکہ اختلاف حتی الامکان رفع ہوجائے اور اس کے کچھ نظائر پیش کیے ہیں۔ دونوں قولوں میں تطبیق یہ شامی کی خصوصیت ہے اور مولانا عرفان صاحب زید مجدہٗ نے اسی تطبیق کو مقصود بنا کر نظائر سے استدلال کیا اور اس کے خلاف کی توجیہ فرمائی ہے۔

(۳) علامہ ابن ہمام کے کلام سے اس مسئلہ میں جمہور کے قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، یعنی فرض ذمہ سے صلاۃ اولیٰ کے ذریعہ ساقط ہوگیا؛ لہٰذا صلاۃ ثانیہ کا نفل ہونا راجح ہے؛ چنانچہ مفتی اعظم ہند حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں یہ لکھا ہے؛ مگر علامہ ابن ہمام کے کلام کے متعلق مولانا موصوف یوں لکھ رہے ہیں کہ ”شیخ ابن ہمام نے ثانی کے نفل ہونے کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے؛ بلکہ طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا میلان ثانی کے فرض ہونے کی طرف ہے“۔ حالانکہ ابن ہمام بھی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں۔

(۴) علامہ شامی کی تطبیق جس میں صلاۃ اولیٰ کو فرض ناقص اور ثانیہ (معادہ) کو فرض کامل کہا گیا ہے اس پر مولانا موصوف محض لفظی مناسبت کی وجہ سے صلاۃ جنازہ بغیر ولی اور مع الولی کی نظیر سے استدلال کر کے معادہ کی حیثیت فرض کو متعین کر رہے ہیں؛ حالانکہ نماز جنازہ دونوں مرتبہ میں اپنی جگہ کامل ہے، دونوں مرتبہ کے مصلی بھی الگ ہیں۔ پہلی مرتبہ کی نماز کو ثانی کے مقابلہ میں ناقص کہنا محض اعتباری ہے اور دوسری مرتبہ والی نماز کو اعادہ کہنا بھی محض ولی کے اعتبار سے ہے ورنہ پہلی مرتبہ کی نماز پڑھنے والوں کے لیے نہ اعادہ ہے اور نہ ان کی نماز میں کوئی نقص ہے۔ ان کا ذمہ فرض سے ساقط ہو چکا ہے۔ فان صلی غیرہ ای غیر من له حق التقدم اعادها ان شاء ولا یعید معه من صلی مع غیرہ (مراقی الفلاح، فتاویٰ محمودیہ ج ۱۳، ص ۱۴۵) بغیر ولی کے نماز اگر ناقص ہوتی تو ایک سے زیادہ مرتبہ بغیر ولی کے نماز جنازہ کی گنجائش نہ ہوتی۔ پس معادہ کو صلاۃ جنازہ مع الولی پر قیاس کر کے حتماً فرض قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۵) صلاۃ ثانیہ (معادہ) کی فرضیت کو موصوف اپنے خیال میں متعین کرنے کے بعد ایک قدم آگے بڑھ کر صلاۃ اولیٰ کی فرضیت کے بطلان اور نفل میں تبدیل ہوجانے کو ایک نظیر سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ من علیه الجمعه نے اگر تنہا ظہر کی نماز ادا کی پھر جمعہ میں شریک ہوا، تو اس کی ظہر باطل ہو کر نفل ہوجائے گی اور صلاۃ الجمعہ جو بہ منزل اعادہ کے ہے اس سے فرض ادا ہو کر بری الذمہ ہوگا۔ یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ سعی الی الجمعہ کی وجہ سے ظہر کا بطلان اس لیے ہے کہ مقیم فی المصر جمعہ کے دن ظہر کے وقت نمازِ جمعہ کے ذریعہ اسقاط فرض کا مکلّف کیا گیا ہے گویا جمعہ کے دن یہی نماز اس کے ذمہ فرض ہے، پس جب اس نے تنہا ظہر پڑھی تو اس نے فریضہ وقت ادا نہیں کیا اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہ فرض بالکل باطل ہوتا؛ مگر چونکہ فی نفسہٖ ہر مکلّف پر ظہر کی نماز فرض ہے، اس اعتبار سے اس نے اپنی نماز ادا کی پس بطلان کا حکم موقوف ہوا سعی الی

الجمعہ پر: جبکہ مسئلہ مبحوث عنہا میں مکلّف نے امام کے ساتھ جو فرض ادا کیا وہ سب اسی کے مکلّف تھے بس، لہٰذا ترک واجب سہواً کی وجہ سے نہ فرض کے خلاف ہوا اور نہ وجوب اعادہ کے حکم سے صلاۃ اولیٰ کی شان فرض کا بطلان لازم آتا ہے۔

(۶) موصوف اپنے زعم میں معادہ کے فرض ہونے اور صلاۃ اولیٰ کے نفل ہوجانے کو جس طرح بھی ہو ثابت کرچکے تو جمہور جو سقوط فرض بالاولیٰ کے قائل ہیں اور شارح منیۃ المصلی علامہ حلبی نے المختار ان الفرض ھو الاول کی صراحت فرمائی ہے، یعنی پہلی نماز ہی فرض ہے (پس دوسری نماز لامحالہ نفل جابر ہے) یہ بات موصوف کے مفروضہ مدعا کے خلاف ہے اس لیے توجیہہ کرکے اپنے مدعا سے قریب کررہے ہیں، ملاحظہ ہو: ''مگر اس سے شامی کی تطبیق پر کوئی فرق نہیں پڑتا نتیجتاً حسب تطبیق علامہ شامی سقوط الفرض بالاولی والثانی جابر کے معنی یہ ہوں گے کہ سقوط فرض اعادہ پر موقوف نہیں ہے'' لیجیے اتنی پیہم سعی کے بعد جو حاصل نکلا وہ جمہور کے موافق ہے؛ کیونکہ وہ یہی تو کہتے ہیں کہ صلاۃ اولیٰ سے فرض ادا ہوچکا، اگرچہ کچھ کراہت کے ساتھ اور ذمہ بھی ساقط ہوگیا اور جب سقوط فرض اعادہ پر موقوف نہیں ہے تو پھر نفل کی حیثیت کے بغیر معادہ کا محض فرض ہونا ثابت نہیں ہوا؛ لہٰذا معادہ نماز میں جس کا فرض ہونا غیر متیقن ہے نو وارد کی اقتدا کیسے درست ہوگی۔

(۷) معادہ نماز میں نو وارد کی صحت اقتدا کو ثابت کرنے کے لیے علامہ حلبی کے کلام کی توجیہہ کرنے کے بعد صاحب مضمون شامی کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں جس میں معادہ کو بہ منزلہ السجود للسہو کہا گیا ہے اور سجدۂ سہو کے بعد قعدہ میں اقتدار بالاتفاق درست ہے۔ پوری تحریر میں یہی ایک مقام ہے جو قابل غور ہے، سو اس کے متعلق عرض ہے کہ معادہ کو بہ منزلہ السجود للسہو کہنے کا منشا محض جبر نقصان کو بتلانا ہے، یعنی دونوں جابر ہیں، نہ کہ فرضیت کو بتلانا؛ لیکن اگر امام کے سجدۂ سہو کے بعد سجدہ اور قعدہ جو کہ فرض ہی کہلاتا ہے، اس لیے معادہ کا فرض ہونا تسلیم کرلیں تو پھر صلاۃ اولیٰ جو کہ بہ منزلہ ارکان وفرائض قبل سجدۂ سہو کے ہے اس کا فرض رہنا حتمی طور پر معلوم ہوتا ہے نفل میں مبدل ہوجانا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد اقتدا کے صحیح ہونے کی بنیاد کے فرض ہونے کو ثابت کرنے کے باوجود اقتدا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ فرض اوّل کا تحریمہ منقطع ہوچکا ہے، یہی وجہ ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد اقتدا کو فقہاء نے بیان کیا ہے اور معادہ میں نو وارد کی اقتدا کو بیان نہیں کیا۔ فافہم وتدبر

(۸) موصوف نے علامہ شامی کی تطبیق کو مقصود بنا کر جو بوساط تحقیق پھیلائی ہے اس میں یہ بات بھی نظر رہتی کہ صلاۃ ثانیہ (معادہ) کے فرض ہونے کا حکم بعد الوقوع ہے، جیسا کہ شامی نے لکھا ہے پس اعادہ واجب ہونے اور فرض اوّل سے ذمہ سبک دوش ہوجانے کے ساتھ معادہ کا فرض ہونا بھی قبل الوقوع نہیں ہے تو پھر نو وارد مفترض کی اقتدا کو اعادۂ صلاۃ میں کیسے صحیح کہہ سکتے ہیں؛ جبکہ ابھی معادہ فرض قرار نہیں پایا ہے؟

(۹) موصوف کی تحقیق کا اہم وخاص محور جس سے انھوں نے معادہ کے نفل ہونے کے بجائے فرض ہونے کو ثابت کرکے اس پر اقتداء المفترض لامام فی اعادۃ الصلاۃ کی درستگی کا فیصلہ کیا ہے اس میں لفظ ''اعادہ'' سے بھی ایک استدلال کیا گیا ہے، جو قابل اشکال ہے؛ کیونکہ جو نماز کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ہو فقہاء علی حسب المراتب اس کے اعادہ کا حکم دیتے ہیں، جیسے بعض صورتوں میں اعادہ مستحب ہے، پس اگر کوئی شخص ایسی نماز کا اعادہ کرے تو کیا اس وقت بھی معادہ کو فرض کہیں گے کہ لفظ اعادہ یہاں بھی ہے؛ جبکہ بالاتفاق صلاۃ اولیٰ سے فرض ساقط ہوچکا ہے۔

(۱۰) مذکورہ تبصرہ اور جائزہ کے ساتھ یہ بات بھی بطور خاص ذہن نشین کیجیے کہ پورے مقالہ میں ایک ایسی عبارت بھی متقدمین یا متأخرین فقہاء میں سے کسی سے پیش نہ کی جس میں متفرق کی اقتدا معادہ نماز میں بطور استشہاد مذکور ہو۔ اور بعض قرائن وعلامات سے معادہ کا فرض ہونا ظاہر ہوتا ہے جس پر بعض اہل علم نے صحت اقتدا کو متفرع کیا ہے، تو دوسرے قرائن ایسے ہیں جن سے معادہ کا نفل ہونا واضح ہوتا ہے اور صریح حدیث کے مطابق ہے کما قال الجمہور۔ اس لیے نووارد کی معادہ نماز میں اقتدا صحیح نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ دلائل کے اعتبار سے جمہور کا مسلک ہی قوی ہے اور اسی کو مختار، اصح اور راجح قرار دیا گیا ہے اور وہی امت میں معمول بہ اور اہل علم کے نزدیک مفتی بہ ہے اور صحت اقتدا کا قول ضعیف اور غیر مفتی بہ ہے۔

ھذا ما وضح لی وتبین فی ھذہ المسئلۃ لتقریر قول الجمہور واللّٰہ اعلم. وعلمہ اتم واحکم وللّٰہ الحمد اوّلاً وآخرًا والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد ابدا ابدا.

❁ ❁ ❁

اسلام اور سلام

از: مولانا عبداللطیف قاسمی
استاذ جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

دنیا کی تمام متمدن ومہذب قوموں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت، جذبۂ اکرام وخیراندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کے لیے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج ہے، ہمارے ملک میں ہمارے برادران وطن ملاقات کے وقت ''نمستے'' کہتے ہیں، اس نام نہاد ترقی یافتہ زمانہ میں Good Night/ Good Morning اور بعض روشن خیال حضرات ''صبح بخیر'' ''شب بخیر'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، حضرت عمران بن حصینؓ کا بیان ہے کہ قبل از اسلام عرب کی عادت تھی، کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے تو ایک دوسرے کو ''حَيَّاكَ اللّٰهُ'' (اللہ تم کو زندہ رکھے) ''أَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا'' (اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھ کو ٹھنڈا کرے) ''أَنْعِمْ صَبَاحًا'' (تمہاری صبح خوش گوار ہو) وغیرہ الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے تو ہمیں اس کی ممانعت کردی گئی، یعنی اس کے بجائے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کی تعلیم دی گئی، جس کے معنی ہیں ''تم ہر تکلیف اور رنج ومصیبت سے سلامت رہو'' ابن العربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا: لفظ ''سلام'' اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور ''السلام علیکم'' کے معنی ہیں ''اللہ رقیب علیکم'' اللہ تمہارا محافظ ہے (مستفاد از معارف القرآن ۲/۵۰۱)

سلام کی جامعیت ومعنویت:

سلام نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے کہ یہ کلمہ پیار ومحبت اور اکرام کے اظہار کے لیے بہترین لفظ ہے اور اس کی کئی معنوی خصوصیات ہیں:

(۱) سلام اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ (بخاری ۲/۹۲۰ کتاب الاستیذان)

(۲) اس کلمہ میں صرف اظہارِ محبت ہی نہیں؛ بلکہ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ تمام آفات اور آلام سے محفوظ رکھیں۔

(۳) عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی دعا نہیں؛ بلکہ حیاتِ طیبہ کی دعاء ہے۔

(۴) سلام کرنے والا اپنی زبانِ حال سے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو، تمہاری جان، مال اور آبرو کا میں محافظ ہوں۔

(۵) تذکیر ہے، یعنی اس لفظ کے ذریعہ اس بات کا اظہار بھی ہے کہ ہم اور تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو اس کے ارادہ ومشیت کے بغیر نفع، ونقصان پہنچا نہیں سکتے۔

(۶) یہ کلمہ اپنے سے چھوٹوں کے لیے شفقت، مرحمت اور پیار ومحبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لیے اکرام وتعظیم کا لفظ بھی۔

(۷) قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال ہوا ہے اور اس میں عنایت اور محبت کا رس بھرا ہوا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے، سَلَامٌ عَلٰی نُوحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ، سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ، سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهَارُوْنَ، سَلَامٌ عَلٰی اِلْيَاسِيْنَ، سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِيْنَ، سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی.

(۸) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کیا جاتا ہے۔

(۹) تمام ایمان والوں کو نماز میں بھی اس لفظ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دُرود بھیجنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۱۰) آخرت میں مؤمنین کے جنت میں داخلہ کے وقت کہا جائے گا "أُدخلُوها بسلامٍ، سلامٌ عَلَيكُمْ بما صَبَرْتُم، فَنِعْمَ عُقبى الدارِ" (مستفاد از معارف القرآن ۵۰۱/۲، معارف الحدیث ۱۴۹/۶)

سلام کی اہمیت وفضیلت:

سلام، اسلام کا شعار، سلام جنتیوں کا سلام، اللہ سے قریب کرنے والا، محبتوں کو پیدا کرنے والا، نفرتوں، کدورتوں اور عداوتوں کو مٹانے والا ہے، باہمی تعلق واعتماد کا وسیلہ اور فریقین کے لیے موجبِ طمانیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو باہم سلام کا رواج دینے اور عام کرنے کی بڑی تاکید فرمائی کہ اسلامی دنیا کی فضاء اس کی لہروں سے معمور رہے اور اس کو افضل

الاعمال قرار دیا اور اس کے فضائل و برکات اور اجر وثواب کو بیان فرمایا ہے۔

اسلامی سلام کی سنت حضرت آدم علیہ السلام سے چلی آرہی ہے؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ارشاد فرمایا: اے آدم! فرشتوں کی اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام گئے اور فرشتوں کی ایک جماعت سے السلام علیکم فرمایا، فرشتوں نے جواب میں عرض کیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم یہ سلام تمہاری اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے۔ (بخاری کتاب الاستیذان ۲/۲۱۹)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے؛ جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا؛ جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہوجائے گی، وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کے لیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کرو۔ (مسلم کتاب الایمان ۱/۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ (محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ، اخلاص اور محبت کے کھانا کھلایا جائے، جو لوگوں کو جوڑنے اور باہم محبت والفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے) اور سلام کو پھیلاؤ تو تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے (ترمذی، باب الاستیذان ۲/۹۸، ابوداؤد، ابواب السلام ۲/۷۰۶)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا:

اے بیٹے جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کیا کرو، یہ سلام تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت کا سبب ہوگا۔ (ترمذی ۲/۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے بندوں کو کھانا کھلانا اور جانا پہچانا اور انجان ہر ایک کو سلام کرنا، سب سے افضل عمل ہے (بخاری ۲/۹۲۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے سلام کو مسلم معاشرہ میں عام کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کرے،

پھر کچھ دیر بعد دیوار، درخت یا پتھر درمیان میں حائل ہوجائے تو پھر دوبارہ سلام کرے، یعنی جتنی بار ملاقات ہو اتنی بار سلام کرتا رہے۔ (ابوداؤد ۲/ ۷۰۷)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ: ۴۰۰)

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا حضرات صحابہ کرامؓ پر غیر معمولی اثر ہوا اور ان حضرات نے سلام کو اپنی عملی زندگی کا ایک جزء لاینفک بنالیا، اس کا اندازہ ہم مندرجہ ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں، حضرت طفیل بن ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں: حضرت ابن عمرؓ مجھے لے کر اکثر بازار جایا کرتے تھے، بازار میں تاجر، خریدار، مسکین، گری پڑی چیز اٹھانے والا، غرض ہر کسی کو جس سے ملاقات ہوتی سلام کرتے، ایک دن میں نے عرض کیا، حضرت بازار میں آپ نہ خرید وفروخت کرتے ہیں، نہ بازار میں آپ کسی مجلس میں شریک ہوتے ہیں، لہٰذا بازار جانے کے بجائے، آپ یہاں تشریف رکھیں اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کریں ہم سنیں گے، تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اے بطین (پیٹ والے) ہم بازار صرف مسلمانوں کو سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں (کہ بازار میں لوگ ضروریات کی وجہ سے زیادہ رہتے ہیں اور ہم زیادہ مسلمانوں سے ملاقات کریں گے، انھیں سلام کریں گے اور زیادہ ثواب حاصل کریں گے۔ (مشکوٰۃ: ۴۰۰)

سلام کا اجر وثواب:

سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے، واجب کا ثواب سنت سے زیادہ ہوتا ہے، لیکن سلام کرنے کی سنت کا ثواب جواب دینے کے واجب سے زیادہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۸/ ۴۲۱ باب السلام)

جب کسی مسلمان کو سلام کیا جائے تو اس کے ذمہ جواب دینا تو واجب ہے، اگر بغیر کسی عذر شرعی کے جواب نہ دے تو گنہگار ہوگا؛ البتہ جواب دینے میں دو باتوں کا اختیار ہے، ایک یہ کہ جن الفاظ میں سلام کیا گیا ہے ان سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے، دوسرے یہ کہ بعینہٖ انھیں الفاظ سے جواب دے دیا جائے۔ (معارف القرآن ۲/ ۵۰۴)

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور السلام علیکم کہا، آپ علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا، اور وہ شخص بیٹھ گئے، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: دس نیکیاں، کچھ دیر بعد ایک دوسرے آدمی حاضر خدمت ہوئے اور السلام علیکم ورحمۃ

اللہ کہا، آپ علیہ السلام نے جواب دیا اور وہ آدمی بیٹھ گئے اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بیس نیکیاں، کچھ دیر بعد ایک تیسرے شخص حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: تیس نیکیاں۔ (ترمذی ۲/۹۸، ابوداؤد ۲/۷۰۶)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مکمل سلام کرنے کے بعد تیس اور ہر ایک کلمہ پر دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔

سلام کے آداب:

(۱) سلام کرنے میں پہل کرے؛ اس لیے کہ سلام میں پہل کرنے سے عاجزی وتواضع پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو بندوں سے تواضع نہایت محبوب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرنے والا ہو۔ (ترمذی ۲/۹۹، ابوداؤد ۲/۷۰۶)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سلام میں پہل کرنے والا کبر ونخوت سے بری ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ: ۴۰۰)

(۲) سلام کرنے والا اور سلام کا جواب دینے والا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' صیغۂ جمع استعمال کریں، اگرچہ مخاطب اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔ (الاذکار النوویۃ: ۱۹۴)

(۳) سلام اتنی بلند آواز سے کرے کہ سلام کیے جانے والے کو بآسانی آواز پہنچ جائے ورنہ جواب کا مستحق نہ ہوگا، نیز جواب دینے والا بھی اسی طرح بلند آواز سے جواب دے ورنہ جواب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (الاذکار النوویۃ: ۱۹۵)

(۴) جب کوئی سلام کرے تو بہتر طریقہ پر جواب دینا، کم از کم ویسے ہی الفاظ سے جواب دینا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم سلام سے بہتر الفاظ سے جواب دو، یا اسی کے مثل جواب دو۔ (النساء: ۸۶)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے اس آیت کی تشریح اس طرح فرمائی کہ ایک مرتبہ آں حضرت ﷺ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا ''السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ'' آپ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا کہ ''وعلیکم السلام ورحمة اللہ'' پھر ایک صاحب آئے انھوں نے سلام میں یہ الفاظ کہے ''السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ ورحمة

اللّٰہ" آپ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا وعلیکم السلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته" پھر ایک اور صاحب آئے انھوں نے اپنے سلام ہی میں تینوں کلمے بڑھا کر کہا "السلام علیك یا رسول اللّٰہ ﷺ ورحمة اللّٰہ وبرکاته" آپ نے جواب میں صرف ایک کلمہ "وعلیك" ارشاد فرمایا: ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان، پہلے جو حضرات آئے آپ نے ان کے جواب میں دعاء کے کئی کلمات ارشاد فرمائے اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ نے "وعلیك" پر اکتفاء فرمایا، آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے لیے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے، تم نے سارے کلمات اپنے سلام ہی میں جمع کر دیے، اس لیے ہم نے تمہارے سلام کا جواب قرآنی تعلیم کے مطابق جواب بالمثل دینے پر اکتفاء کرلیا، اس روایت کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مختلف اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (معارف القرآن ۲/۵۰۳)

(۵) عزیز، دوست، چھوٹے، بڑے، جانے پہچانے اور انجانے سب کو سلام کرے۔ (بخاری ۲/۹۲۱)

(۶) چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔ (بخاری ۲/۹۲۱)

(۷) سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔ (بخاری ۲/۹۲۱)

(۸) پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے۔ (بخاری ۲/۹۲۱)

(۹) چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (بخاری ۲/۹۲۱)

(۱۰) اپنے محارم کو سلام کرے۔ (ترمذی ۲/۹۹)

(۱۱) جب گھر یا مسجد میں داخل ہو، وہاں اس کے علاوہ کوئی نہ ہو تو ان الفاظ سے سلام کرے، السلامُ علینا وعلی عبادِ اللّٰہ الصالحین (ہندیہ ۵/۳۲۶)

(۱۲) اگر کوئی غائب شخص سلام پہنچائے تو اس طرح جواب دے، وعلیك وعلیه السلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته (ترمذی ۲/۹۹)

(۱۳) اگر ایک شخص ایک جماعت کو سلام کرے تو جماعت میں سے ایک شخص کا جواب دینا کافی ہے، تمام حاضرین کا جواب دینا افضل ہے۔ (ابوداؤد ۲/۷۰۸)

(۱۴) اگر سلام کرنے والی ایک جماعت ہو تو صرف ایک آدمی کا سلام کرنا کافی ہے؛ البتہ تمام کا سلام کرنا افضل ہے۔ (الاذکار النوویۃ: ۱۹۶)

(۱۵) اگر مسلم اور غیر مسلم کا مخلوط مجمع ہو تو مسلمان کی نیت سے سلام کرے۔ (بخاری ۹۲۴/۲)

(۱۶) جب کسی کی ملاقات سے فارغ ہو کر رخصت ہونے لگے تو سلام وداع کرے، یہ بھی سنت ہے۔ (ترمذی ۱۰۰/۲)

(۱۷) جب کسی کے پاس کوئی تحریر لکھے تو السلام علیکم سے کلام کا آغاز کرے۔ (بخاری ۹۲۶/۲)

(۱۸) اگر مسلمان دو ہو یا بہرا ہو تو ہاتھ سے اشارہ بھی کرے اور زبان سے لفظ سلام بھی کہے، صرف اشارہ پر اکتفار نہ کرے۔ (الاذکار النوویۃ: ۱۹۶)

(۱۹) سلام یا جوابِ سلام میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پر مزید کلمات کا اضافہ کرنا خلافِ سنت ہے۔ (معارف القرآن ۵۰۴/۲)

(۲۰) اگر کسی غیر مسلم کے پاس خط لکھے تو "السلام علی من اتبع الھدی" تحریر کرے۔ (بخاری ۹۲۴/۲)

کن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے؟

(۱) بے ایمان کو سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر وہ ابتداءً سلام کرے تو ''علیک'' پر اکتفار کرے۔ (مرقات ۴۲۰/۸)

(۲) زندیق کو سلام کرنا (شامی ۳۷۷/۲، مفسدات الصلوٰۃ)

(۳) جو شخص برسرِ عام گناہ اور فسق میں مبتلا ہو اس شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ (بخاری ۹۲۵/۲)

(۴) جوان اجنبی عورتوں اور اجنبی مردوں کو سلام کرنا مکروہ ہے، اگر اجنبی نہایت بوڑھا یا بوڑھی ہو تو سلام کرنا جائز ہے۔ (ہندیہ ۳۲۶/۵)

(۵) بدعتی کو سلام کرنا۔ (مرقات ۴۲۰/۸)

نوٹ: بے ایمان کو کسی ضرورت کی وجہ سے سلام کرنا یعنی معاشرتی الفاظ استعمال کرنا مثلاً صبح بخیر، آداب وغیرہ جائز ہے، مذہبی الفاظ ''نمستے'' کہنا جائز نہیں۔ (الاذکار النوویۃ: ۲۰۲، فتاویٰ رحیمیہ ۲۵۶/۶)

مندرجہ ذیل مواقع میں سلام نہ کرے:

(۱) نماز پڑھنے والے (۲) تلاوت کرنے والے (۳) دینی باتوں (حدیث، فقہ وغیرہ) کے بیان کرنے والے (۴) ذکر کرنے والے (۵) اذان دینے والے (۶) اقامت کہنے والے (۷) جمعہ اور عیدین وغیرہ خطبات دینے والوں کو دینی امور میں مصروف ہونے کی وجہ سے سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۸) اذان، اقامت اور خطبات کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے، اگر کوئی ان مواقع میں سلام کرے تو جواب کا مستحق نہیں۔ (شامی ۲/۳۷۵)

(۹) کھانے والے کو سلام کرنا۔

(۱۰) قضاء حاجت میں مشغول آدمی کو سلام کرنا۔

(۱۱) جماع میں مشغول آدمی کو سلام کرنا۔

(۱۲) جس آدمی کا ستر کھلا ہوا ہو اس کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے؛ اس لیے کہ موجودہ صورت حال میں جواب دینے کی حالت میں نہیں ہیں۔ (شامی ۲/۳۷۵)

مندرجہ بالا صورتوں میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں؛ البتہ بعض صورتوں میں عمل موقوف کرکے جواب دے سکتا ہے، بعض صورتوں میں جواب کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

مصنوعی بارآوری: صورتیں اور احکام

(ٹیسٹ ٹیوب بے بی)

از: مفتی محمد اسد اللہ آسامی
معاون مفتی، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

آج کل میڈیکل سائنس کی ترقی کے نتیجے میں بہت سے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں، نیز علاج کے نام پر بہت سی ایسی شکلیں مارکیٹ میں متعارف کی جارہی ہیں، جن میں سے بعض تو شرعی اعتبار سے قطعی حرام اور اسلام کے بنیادی اصول سے متصادم ہیں اور ان شکلوں کو طبی کیمپ، اخبارات اور دیگر ذرائع کے توسط سے خوب شہرت دی جارہی ہے، نتیجتاً بہت سے مسلمان بھی ان کو اپنا رہے ہیں، ان جدید شکلوں میں سے ایک شکل آئی وی ایف (in vitro fertilization=ivf) ہے، اس سے مراد تولید کے مصنوعی ذرائع ہیں۔ آج کل اس کی درج ذیل صورتیں رائج ہیں:

(۱) نطفہ شوہر کا ہو اور کسی ایسی عورت کا بیضہ لیا جائے، جو اسکی بیوی نہ ہو پھر یہ لقیحہ اس شوہر کی بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۲) نطفہ شوہر کے سوا کسی اور کا ہو اور بیضہ بیوی کا ہو اور اسی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۳) شوہر کا نطفہ اور بیوی کا بیضہ لے کر بیرونی طور پر ان کی تلقیح کی جائے اور پھر یہ لقیحہ دوسری عورت کے رحم میں رکھا جائے، جسے مستعار رحم کہا جاتا ہے۔

(۴) کسی اجنبی شخص کے نطفہ اور اجنبی عورت کے بیضے کے درمیان بیرونی طور پر تلقیح کی جائے اور لقیحہ بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۵) شوہر کا نطفہ اور بیوی کا بیضہ لے کر بیرونی طور پر تلقیح کی جائے پھر لقیحے کو اسی شوہر کی دوسری بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۶) نطفہ شوہر کا اور بیضہ اس کی بیوی کا ہو، ان کی تلقیح بیرونی طور پر کی جائے اور پھر شوہر کی اسی بیوی کے رحم میں رکھا جائے جس کا بیضہ لیا گیا۔

(۷) شوہر کا نطفہ لے کر اس کی بیوی کے مہبل یا رحم میں کسی مناسب جگہ پر طبی آلے کی مدد سے رکھ دیا جاتا ہے، پھر اسی جگہ بارآوری کی جاتی ہے۔

مذکورہ پانچ شکلوں میں تو اجانب کے مادے کا باہم اختلاط یا اجنبیہ کے رحم سے استفادہ ہوتا ہے، جو بہ حکمِ زنا ہونے کی وجہ سے قطعاً ناجائز ہے، احکامِ شرعیہ سے متعلق تھوڑی سی معلومات رکھنے والا شخص بھی ان کے ناجائز ہونے میں کوئی تأمل نہیں کرے گا؛ البتہ آخر الذکر تین شکلوں میں چوں کہ غیر کے مادے سے استفادہ نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں؛ اس لیے زیرِ نظر تحریر میں ان تینوں شکلوں سے متعلق حکمِ شرعی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ اہلِ علم کے لیے غور کرنا آسان ہو۔

شریعت کے اصول اور فقہائے کرام کے کلام کی رو سے یہ شکلیں بھی جواز کے دائرے میں نہیں آتیں؛ بلکہ دیگر پانچ شکلوں کی طرح یہ شکلیں بھی ناجائز اور حرام ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ ان طریقوں کو اپنانے میں خاتون کا سترِ غلیظ یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ اجنبی ڈاکٹروں؛ بلکہ بسا اوقات معاونین اور ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کے سامنے کھولنا تقریباً لازمی ہے، جب کہ عورت کے لیے ستر کا یہ حصہ نہ مرد کے سامنے کھولنا جائز ہے، نہ عورت کے سامنے۔ اور جو عورتیں ان طریقوں کو اپناتی ہیں ان کو کوئی ایسی جسمانی تکلیف نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ تو محض جلبِ منفعت اور حصولِ اولاد کے لیے کرتی ہیں، ارتکابِ حرام کی گنجائش ضرورتِ شدیدہ کے وقت ہوتی ہے، نہ کہ محض حصولِ منفعت کے لیے۔

بعض معاصرین نے تحفۃ الفقہاء ج ۳ ص ۳۴ کی ایک عبارت (۱) سے اس مسئلے پر استدلال کیا ہے، جس میں مولفؒ نے عورت کے سترِ غلیظ کو دیکھنے اور چھونے کی اجازت محض ختنہ کے لیے دی ہے، جب کہ عورت کا ختنہ نہ تو سنت ہے اور نہ ہی واجب؛ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں؛ اس لیے کہ تحفۃ الفقہا کی محولہ عبارت کو دیگر فقہاء نے نہیں لیا ہے؛ بلکہ بدائع الصنائع جو درحقیقت تحفۃ الفقہاء کی شرح ہے، اس میں اگرچہ اس عبارت کے بیش تر حصے کو لے لیا؛ لیکن اس جزیہ (یعنی ختنہ کے لیے عورت کے ستر کو دیکھنا اور چھونا) کو نہیں لیا۔ (ملاحظہ فرمائیں، بدائع الصنائع ج ۴ ص ۶۹۹، ط: زکریا، دیوبند) (۲)

مزید یہ کہ جزئیہ مذکورہ علماء کے نزدیک مفتی بہ ہے بھی نہیں؛ اس لیے کہ فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بچہ بالغ ہوجائے اور کسی وجہ سے ختنہ نہ ہوسکا، تو بالغ ہونے کے بعد اس کا ختنہ نہ کرایا جائے اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ ختنہ سنت ہے، جب کہ ستر چھپانا فرض ہے یعنی تحصیلِ سنت کے لیے ترکِ فرض کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا، چنانچہ مجموعہ فتاوی میں ذخیرہ کے حوالے سے منقول ہے: فی الذخیرۃ أنَّ الْمُسْلِمَ یُخْتَنُ مَالَمْ یَبْلُغْ فَإِذَا بَلَغَ لَمْ یُخْتَنْ، لِأَنَّ

سَتْرَ عَوْرَةِ الْبَالِغِ فَرْضٌ وَالْخِتَانُ سُنَّةٌ فَلَا يُتْرَكُ الْفَرْضُ لِسُنَّةٍ وَالْكَافِرُ إِذَا أَسْلَمَ يُخْتَنُ بِالْاِتِّفَاقِ لِمُخَالَفَتِهِ دِيْنَ الْإِسْلَامِ وَهُوَ بَالِغٌ. (ج۳ص۹۶ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج۱۰ص۱۳۴ کتاب الحظر والاباحۃ، ط: دارالاشاعت) تو جب مردوں کا ختنہ جسے تقریباً ضروری اور شعارِ اسلام سمجھا جاتا ہے۔ وہاں اس کی اجازت نہیں دی گئی تو عورت کا ختنہ جو سنت بھی نہیں، اس کے لیے کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟

عدمِ جواز کی دوسری بڑی وجہ اختلاطِ نسب (جس کی شریعت نے بہت تاکید کی ہے) کا اندیشہ ہے؛ اس لیے کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی سے متعلق جانکاری رکھنے والوں کی تحریریں پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عمل کو انجام دینے والے ڈاکٹرس، عورت کا بیضۂ المنی اور مردوں کی منی لے کر باہم ملانے کے بعد ایک ٹیوب میں آبیاری کرتے ہیں، جس کی مدت کم وبیش دو یا چار دن ہے؛ پھر عورت کے رحم میں مناسب جگہ پر اس کو پیوست کرتے ہیں اور یہ کام انتہائی مشکل ہوتا ہے، اس لیے کہ لقیحہ (آمیزہ) رحم میں بہ آسانی چپکتا نہیں ہے؛ بلکہ بسا اوقات کئی کئی بار یہ کوشش ڈاکٹروں کو کرنی پڑتی ہیں؛ اس لیے عموماً ڈاکٹروں کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ عورت سے حاصل کردہ بیضۂ المنی (جو بے شمار جراثیم پر مشتمل ہوتا ہے) کی مختلف ٹیوب میں آبیاری کرتے ہیں۔

اب اس بات کی ضمانت کون دے گا کہ اگر یہ آمیزے بچ جائیں تو ڈاکٹر انھیں ضائع کردیں گے؟ جب کہ مخصوص آلے کے ذریعے عورت کا بیضۂ المنی لینا پھر مرد کی منی کے ساتھ اس کا لقیحہ تیار کرنا انتہائی مشکل مرحلہ ہوتا ہے؛ چناں چہ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی (عدد:۲ص۱۸۶ وغیرہ) میں اس سے متعلق کافی تفصیلات (۳) مذکور ہیں۔

نیز ٹیسٹ ٹیوب بے بی (ivf) کا طریقہ ایجاد ہونے کے بعد ہسپتالوں میں باقاعدہ منی بینک کا انتظام ہونے لگا ہے، جس میں مختلف صلاحیتوں کے حامل مردوں (مثلاً فنکار، کھلاڑی، سیاستداں، کالا، گورا) کی منیاں محفوظ رکھی جاتی ہیں اور حسب ضرورت عورتیں ان منیوں سے حاملہ ہوتی ہیں؛ بلکہ آج کل بہت سی کمپنیاں وجود میں آچکی ہیں، جو طبی مراکز اور ہسپتالوں کے لیے منیاں، کرائے کی مائیں وغیرہ فراہم کرتی ہیں اور جن ہسپتالوں میں ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی سہولیات فراہم ہوتی ہیں، وہاں منی بینک نیز کرائے کی کوکھ کا بھی ضرور انتظام ہوتا ہے، ابتدا تو ان چیزوں کی یورپ امریکا سے ہوئی؛ لیکن اب ہر جگہ یہاں تک کہ سہارن پور، مظفرنگر جیسی جگہوں میں بھی یہ چیزیں پھیل چکی ہیں، تو کیا یہ ساری چیزیں انسانیت اور نسب انسانی کے ساتھ سراسر مذاق نہیں ہے؟ تو ان دین بے زار؛ بلکہ اسلامی اصول کو بالکل نظرانداز کرنے والوں سے کیا یہ

توقع کی جاسکتی ہے، کہ مرد سے حاصل کردہ منی کو اس کی بیوی ہی کے رحم میں ڈالیں گے؟ یا اس سے بچے ہوئے حصے کو ضائع کردیں گے؟

نیز ان بے دین؛ بلکہ نسل انسانی کو مذاق بنانے والے ڈاکٹروں سے کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ منشأ شریعت (اختلاط نسب سے بچانا) کے مطابق یہ امور انجام دیں گے؟ ہرگز نہیں؛ اس لیے کسی مسلمان کے لیے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، ہرگز جائز نہیں کہ اس طریقۂ تولید کو اپنائے، اگرچہ خاتون ڈاکٹرنی ہی سارا کام انجام دے، ہاں اگر شوہر خود اس لائن کا تجربہ رکھتا ہو اور وہ دیانت داری کے ساتھ اس کام کو انجام دے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی۔ اکابر ارباب افتاء میں سے حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے منتخبات نظام الفتاویٰ (ج ۱ ص ۳۳۹) حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاویٰ (ج ۸ ص ۲۱۴، ط: دارالاشاعت) اور حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے فتاوی رحیمیہ (ج ۵ ص ۴۸۴، کتاب الحظر والاباحۃ ط: مکتبہ الاحسان) میں عدم جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے، دارالعلوم دیوبند نے بھی حال ہی میں اس طریقۂ تولید سے متعلق عدم جواز کا فتوی جاری کیا۔ (سوال ۴۷، ۱۴۳۴ھ)

یہاں ایک سوال ہوگا کہ اگر کسی نے ناواقفیت یا کسی اور وجہ سے ان شکلوں میں سے کسی کو اپنالیا اور اس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہوا، تو بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟ نیز ایک بیوی کے بیضے کو دوسری بیوی کے رحم میں ڈالنے کی صورت میں بچے کی ماں کون بنے گی؟ جس نے بچہ جنا؟ یا وہ عورت جس کا بیضہ لیا گیا؟ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ حدیث میں الولد للفراش... وللعاهر الحجر (بخاری رقم ٦٨١٧، باب للعاهر الحجر) فرمایا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ منکوحہ کا بچہ اس کے شوہر کی طرف ہی منسوب ہوگا، بہ شرطے کہ مدت کے اندر اس کی گنجائش ہو یعنی نکاح کے کم از کم چھ مہینے کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو۔ نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ شرعاً ثبوتِ نسب کے لیے فطری طریقے پر ہی رحم میں منی کا ادخال ضروری نہیں؛ بلکہ غیر فطری طریقے پر ادخال کی صورت میں بھی نسب ثابت ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: رَجُلٌ عَالَجَ جَارِيَةً فِيْ مَا دُوْنَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ فَأَخَذَتِ الْجَارِيَةُ مَاءَهُ فِيْ شَيْءٍ فَاسْتَدْخَلَتْهُ فِيْ فَرْجِهَا فَعَلَقَتْ، عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ أَنَّ الْوَلَدَ وَلَدُهُ وَتَصِيْرُ الْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ (ج ۴ ص ۱۱۴، الفصل الاول فی مراتب النسب، زکریا)؛ لہٰذا دونوں صورتوں میں بچہ ثابت النسب ہوگا، پہلی صورت تو جن دو میاں بیوی کا نطفہ لیا گیا ہے، ان سے ہی نسب ثابت ہوگا۔ رہی دوسری صورت کہ اس میں بچے کی ماں شرعاً کون بنے گی؟ جس کا بیضۃ المنی لیا گیا وہ؟ یا وہ جس نے حمل کی مشقت اٹھائی اور جنم دیا؟

توصیح بات یہ ہے کہ بچے کا نسب اس خاتون سے ثابت ہوگا جس کے بطن سے وہ پیدا ہوا ہے، جس نے حمل و وضع حمل کی مشقت برداشت کی، قرآن کریم میں ہے إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلاّ اللَّائِی وَلَدْنَهُمْ (المجالۃ:۲) ترجمہ: ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ماں انھیں قرار دیا ہے، جنھوں نے بچوں کو جنا اور حصر کے ذریعے غیر سے ماں ہونے کی نفی کی ہے۔ نیز دوسری آیت میں ہے يَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ (الزمر، الآیۃ ۶) یہاں پر بھی موضع تخلیق ماؤں کے بطون کو بنایا، اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مائیں وہ ہوں گی جن کے بطن میں بچہ کی تخلیق ہوئی ہے، نیز آیت کریمہ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهاً سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

❁ ❁ ❁

(۱) وَلَا يُبَاح الْمس وَالنَّظَر إلى مَا بَين السّرَّة وَالركبَة إلَّا في حَالة الضَّرُورَة بأن كَانت الْمَرْأَةُ خَتّانةً تختن النّساء أو كَانت تنظر إلَى الْفرج لمعْرفَة الْبكارة أو كَانَ في موضع العورة قرح أو جرح يحْتَاج إلى التَّداوى وَإن كَانَ لا يعرفُ ذلك إلّا الرجل يكشف ذلك الخ (تحفة الفقهاء ج۳ ص۳٤ كتاب الاستحسان. الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت ـ لبنان)

(۲) ولا يجوز لها أن تنظر ما بين سرتها إلى الركبة إلا عند الضرورة بأن كانت قابلة فلا بأس لها أن تنظر إلى الفرج عند الولادة. وكذا لا بأس أن تنظر إليه لمعرفة البكارة في امرأة العنين والجارية المشتراة على شرط البكارة إذا اختصما وكذا إذا كان بها جرح أو قرح في موضع لا يحل للرجال النظر إليه فلا بأس أن تداويها إذا علمت المداواة فإن لم تعلم تتعلم ثم تداويها فإن لم توجد امرأة تعلم المداواة ولا امرأة تتعلم وخيف عليها الهلاكُ أو بلاء أو وجع لا تحتمله يداويها الرجل لكن لا يكشف منها إلا موضع الجرح ويغض بصره ما استطاع (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج٤ ص ٦٩٩ ط: زكريا)

(۳) على كل حال نكاحُ الاستبضاع الآن أخذ شكلا جديدا... يجمع المني من العباقرة والأذكياء والأقوياء ويكتب على كل قارورة منى اسم مانحها وتحفظ في بنوك المنى... وتقدم كالتوجات للنساء وللأسر.. هل تريدون منى الرجل العبقري فلان؟ إنه حصل على جائزة نوبل في الآداب؟ أم تريدون منى الرجل القوي الجيار فلان فقد كان قائدا عسكريا بارعا، أم أن المكتشف والمخترع فلان هو الذي يناسبكم؟ أتريدون ولدا أبيض أم أسمر إلى أخر قائمة الطلبات... تكونت في الولايات المتحدة وبعض دول أوربا شركات تجارية لبيع الأرحام المستعارة يتراوح ثمن الرحم المستأجرة ما بين خمسة آلاف وعشرة آلاف دولار....

(مجلة مجمع الفقه الإسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الإسلامي بجدة وهد تصدر عن منظمة المؤتمر الإسلامي بجدة، العدد الثاني ص١٨٦)

❁ ❁ ❁

تصوف میں مجدد الف ثانیؒ کا تصور

از: مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
دارالسلام اسلامی مرکز، مالیر کوٹلہ

قرآن وحدیث کی زبان میں تصوف کا نام تزکیہ اور احسان ہے، مشہور حدیث جس کا نام ''حدیث جبرئیل'' ہے، اس میں ایمان اور اسلام کے بعد ایک مستقل سوال ''احسان'' کے متعلق ہے۔ حضرت جبرئیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہیں:

مَا الاحسانُ: احسان کسے کہتے ہیں؟

آں حضرت ﷺ کا جواب ہے:

اَالاِحسَانُ اَنْ تَعبُدَ اللّٰہَ کَأنَّکَ تَراہُ: احسان کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ بندگیِ رب کے وقت ایسا محسوس ہو جیسے بس وہ سامنے ہی ہے۔

اس سے کم مرتبہ یہ ہے:

اِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہُ یَرَاکَ: وہ تو بہرحال تمہیں دیکھ ہی رہا ہے، نہ تم اس کے دائرہ علم سے باہر ہو اور نہ احاطۂ گرفت سے۔

اس لیے مجدد الف ثانیؒ بجا طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''شریعت جو احکامِ الٰہیہ کا نام ہے، اس کے تین جزو ہیں: علم، عمل، اخلاص۔ علم کے بغیر عمل نہیں اور عمل کے بغیر علم لاحاصل ہے اور اخلاص نہ ہو تو عمل بے فائدہ ہے، غرض علم، عمل اور اخلاص یہ تینوں جزو مل کر شریعت بنتی ہے۔''

عمل میں خلوص؛ یہ حاصل ہے تصوف، تزکیۂ نفس اور احسان کا۔ طریقت وحقیقت شریعت کے خادم ہیں اور شریعت سے دین ودنیا کی تمام سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔

طریقت وتصوف کے ذریعے عمل میں اخلاص پیدا کیا جاتا ہے اور مقصد کمالِ شریعت ہے۔ اخلاص کے بغیر رضا کا مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ اتباعِ شریعت اور سنت کی پیروی پر رضائے الٰہی کا

وعدہ قرآن سے ثابت ہے....ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ یُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:۳۱)

(اے محمد (ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں دوست رکھے گا)

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ: اس فقیر کو پورے دس سال کے بعد یہ امر منکشف ہوا اور حقیقت الامر واضح ہوئی۔ (مکتوب ۳۶ جلد اوّل)

حضرت مجدد الف ثانیؒ سولہویں صدی عیسوی کی اُن بابرکت عظیم شخصیات میں سے ہیں، جنھوں نے نہ صرف پنجاب؛ بلکہ پورے ہندوستان میں تصوف کے چہرے کو نکھارا، اس کے نوک پلک درست کیے اور تصور کی حقیت سے آشنا کیا۔

آپ کا پورا نام: ابوالبرکات احمد بدرالدین ہے، ''امام ربانی اور مجدد الف ثانیؒ'' آپ کا لقب ہے۔ ۵/جون ۱۵۶۴ء آپ کی ولادت اور ۲۶/نومبر ۱۶۲۴ء تاریخِ وفات ہے۔ آپ کے چھٹے دادا سرہند (پنجاب) آکر آباد ہوئے۔ زندگی کی مختصر مدت میں حضرت مجددؒ نے جو کارنامے انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ ان کے زمانے میں تصوف کے نام پر صوفی جو غیر صوفیانہ کام کررہے تھے، ان کی نقاب کشائی حضرت مجددؒ نے اپنی قیمتی مکتوبات اور تعلیمات کے ذریعے کی اور تصوف کو پاک وصاف کرکے، اس کی صحیح حقیقت سامنے رکھ دی۔ ان کی تعلیم کے کچھ گوشے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور مجدد صاحبؒ کی عظمت کا اندازہ کریں۔

قیامِ سنت:

فرماتے ہیں: مدتوں علوم ومعارف اور احوال مقامات واردات ابرنیساں کے مثل مجھ پر وارد ہوئے اور جو کام کرتا تھا، اللہ کی پاک عنایت سے کیا۔ اب کوئی تمنا نہیں رہی، سوائے اس کے کہ کوئی سنت سُنَنِ مصطفیٰ سے زندہ کی جائے اور جاری کی جائے۔ (مکتوبات ۳۷ جلد اول)

سنت کی پیروی:

حق تعالیٰ ظاہر وباطن کو متابعتِ سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات سے مزین ومشرف فرمادے۔ محمد رسول اللہ ﷺ، محبوب رب العالمین ہیں، جو چیز بہتر ہے محبوب کے لیے ہے؛ اس لیے حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم (سورہ قلم آیت ۴) بے شک آپ خلقِ عظیم پر ہیں۔

حق تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کی ملت کو صراطِ مستقیم فرمایا۔ آپ نے فرمایا: اَدَّبَنِیْ رَبِّی

فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِيْ (میرے رب نے مجھ کو اچھا ادب سکھایا)

❁ قیامِ سنت کے ساتھ سنت کی پیروی پر حضرت مجددؒ کس طرح آمادہ فرمارہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تصوف کے مقامات قیامِ سنت اور پیرویِ سنت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ (مکتوب ۴۱ جلد اوّل)

شریعت اور طریقت میں منافات نہیں ہے:

حضرت مجددؒ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ شریعت اور طریقت میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے؛ بلکہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں؛ چناں چہ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے بھی وسوسۂ کذب دور کرنا طریقت وحقیقت ہے۔ یعنی اگر یہ نفی بہ تکلف ہو تو شریعت ہے اور اگر بے تکلف میسر ہو تو حقیقت۔

پس درحقیقت باطن جو طریقت سے عبارت ہے، ظاہر کا مکمل کرنے والا ہے، جو کہ شریعت ہے۔ (مکتوبات ۴۱ جلد اوّل)

وحی اور الہام کا فرق:

وحی اور الہام میں فرق بتاتے ہوئے تحریر فرمایا کہ وحی قطعی ہے اور الہام ظنی ہے کہ وحی کا ذریعہ ملائکہ ہیں اور ملائکہ معصوم ہیں۔ احتمالِ خطا وہاں نہیں ہے، الہام میں خطا کا احتمال ہے۔ (دین کا تصور حضرت مجدد کی نگاہ سے، ص ۲۸)

نفس کی صفات باقی رہنی چاہئیں:

عام طور پر صوفیائے کرام کے یہاں ضبطِ نفس کے بجائے نفس کُشی کا تصور پایا جاتا ہے، حضرت مجددؒ یہ فرماتے ہیں کہ نفس کے اندر جو صفات ہیں، وہ باقی رہنی چاہئیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نفس نفسِ مطمئنہ بھی بن جائے، یعنی شریعت کا پابند ہوجائے اس کے باوجود بھی نفس کی دوسری صفات باقی رہنی چاہئیں؛ کیوں کہ ان صفات سے ترقی کا دروازہ کھلتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ روحانی ترقی نفس کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ اگر نفس کی مخالفت نہ ہوگی تو روحانی ترقی بھی نہ ہوگی، اس کے لیے وہ نبی ﷺ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ جب آپ جہاد سے واپس ہوئے تو میدانِ جہاد سے واپسی پر ارشاد فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الأَكْبَرِ.

(ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں)

یہاں نفس سے جہاد کو ''جہادِ اکبر'' فرمایا اور فرماتے ہیں کہ فرشتے روحانی ترقی نہیں کرسکتے؛ کیوں کہ ان میں نفس نہیں ہے، جو فرشتہ جس مقام پر ہے، اُسی مقام پر رہے گا۔

ایک فرض ہزار نفلوں سے بہتر:

عام طور پر صوفیائے کرام کا رجحان نوافل ومستحبات کی طرف زیادہ رہتا ہے؛ لیکن حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ایک فرض کا مقررہ وقت پر ادا کرنا ہزار نوافل سے بہتر ہے، اور فرماتے ہیں کہ چاہے وہ نوافل اخلاص کے ساتھ ہوں تب بھی فرض کے مقابلے میں کچھ اعتبار نہیں۔ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ صبح کی نماز باجماعت ادا فرما کر فارغ ہوئے، دیکھا کہ ایک شخص ان کے اصحاب میں سے جماعت میں موجود نہیں، دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اکثر شب بیدار رہنے اور نوافل ادا کرنے کی وجہ سے اس وقت سو گئے۔ فرمایا کہ اگر تمام رات سوتے اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتے، اس شب بیداری سے بہتر تھا۔

شریعت کے مطابق اعمال کی درستی:

ناواقف صوفیائے کرام کے یہاں کرامتوں اور احوال کی بہت زیادہ اہمیت ہے؛ مگر مجدد صاحبؒ اس بات کو صاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اعمال کی صحت علم کے بغیر نہیں ہوسکتی؛ چنانچہ مکتوب ۴۱ میں ارشاد فرمایا:

> ''واضح ہو کہ علوم صوفیاء علومِ احوال ہیں اور احوال، نتیجہ وثمرہ اعمال کا ہیں۔ پس علوم احوال اُسی کے لیے مسلم ہیں جس نے اعمال کو درست کیا ہو اور پورا پورا حق اعمال کا ادا کیا ہو اور صحتِ اعمال اسی وقت ہوسکتی ہے کہ اعمال کو جانے اور ان کا علم حاصل کرے اور کیفیتِ اعمال کو سیکھے اور علم شریعت ہے کہ نماز وروزہ تمام فرائض ومعاملات نکاح وطلاق وبیوع وجمیع امور لازمہ کا علم اس سے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم کسبی ہے سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، کسی کو اس علم کے حاصل کیے بغیر چارہ نہیں۔''

فرمایا:

> ''علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے: ایک مجاہدہ طلبِ علم میں ہے، علم کے حاصل ہونے سے پہلے، اور دوسرا مجاہدہ حصولِ علم کے بعد اس پر عمل کرنے میں۔''

توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی:

تصوف کے نازک اور الجھے ہوئے مسائل کو حضرت مجددؒ نے کس خوبی سے حل کیا ہے، وہ ان

کے مکتوبات میں دیکھنے کی چیز ہے، توحید وجودی اور توحید شہودی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''بے شبہ توحیدِ وجودی کا مقام سالک کو پیش آتا ہے؛ لیکن یہ مرحلۂ اول ہوتا ہے، انتہائے سفر نہیں ہے، اس مقام میں سالک نے محبت کا جام پیا ہے، جس نے اس کو مدہوش کردیا ہے، اس کو نہ اپنی خبر ہے نہ دوسروں کی۔ جب تک بے ہوش رہے گا اس کو محبوبِ حقیقی کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اس مقام کی مدہوشی اتنی پر کیف اور رنگین ہے کہ اس سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔

اس مقام کے بعد کامل ہوش اور صحو کا مقام آتا ہے، اس کا نام مقامِ عبدیت ہے۔ یہ انکساری اور خاک ساری کا مقام ہے، اس مقام پر بندہ بندہ ہے اور خالق خالق۔''

مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ہمہ اوست کہ معنی ''ہمہ از اوست'' کیے ہیں، یعنی ظہور وشہود جو کچھ ہے اسی سے ہے۔

حضرت مجددؒ کی تعلیم اور ان کی فکر کے یہ چند نمونے سامنے رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت والا نے کس بصیرت اور گہرائی کے ساتھ صحیح تصوف کو پیش کیا، وہ یقیناً ایک مجدد وقت، ایک دانائے روزگار حکیم، ایک بلند پایہ عالم دین اور ایک بیدار قلب روحانی پیشوا تھے۔ انھوں نے ایک زبردست سماجی انقلاب کی آب یاری کی، ایک پورے عہد کو بدل ڈالا اور ایک نئے عہد اور اس کی لطافتوں اور امنگوں کو پیدا کیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تصورِ تصوف آج بھی ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے، اس تصور کو عام کیا جائے تو محبتِ الٰہی کی خوشبو سے پورا سماج معطر ہوسکتا ہے۔

❁ ❁ ❁

مجاہد جلیل حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ
(سیاسی جدوجہد کے آئینے میں)

از: ڈاکٹر رشید الوحیدی قاسمی

تمہید:

اللہ کے مخلص بندے جب خانقاہوں میں ذکر وفکر، دعا وتسبیح میں مشغول ہوتے ہیں تو اُن کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور جب بڑی بڑی تنخواہوں، اعلیٰ عہدوں کو ٹھکرا کر صبر وقناعت کے ساتھ قرآن وحدیث کا مطالعہ وتدریس اور پُرسکون ماحول میں علم دین کی خدمت کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ کی رضا کا حصول ہی اُن کے پیشِ نظر ہوتا ہے، پھر اچانک ایک ایسا موقع آتا ہے جب وقت کا ظالم پنجہ اللہ کے مظلوم بندوں کی گردنوں کے چاروں طرف اپنا شکنجہ کسنے لگتا ہے اور پھر حالات تقاضا کرتے ہیں کہ ان مظلوموں کی گلوخلاصی اور ان کی مدد کی جائے، ایسے نازک حالات میں اللہ کے یہ مخلص اور باشعور بندے اب اللہ کی رضا اس میں دیکھتے ہیں کہ خانقاہ کا گوشۂ عافیت لذّتِ سحر گاہی اور درسِ حدیث کا محبوب وپاکیزہ مشغلہ سب کچھ یک قلم چھوڑ کر سر بکف شمشیر بدست اور کفن بردوش میدانِ کارزار میں نکل کھڑے ہوں کہ اب اللہ کی سب سے بڑی عبادت، رضاء الٰہی کے حصول کا سب سے قریبی اور یقینی راستہ یہی یعنی اللہ کے بندوں کی مدد اور اُن کی دست گیری ہے، اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی اب اسی میں ہے:

> ''دین کی خدمت کا یہی مطلب نہیں ہے کہ آپ لوگ مدرسہ وخانقاہ میں گوشہ گیر ہوکر کتاب ہی تک منحصر رہیں، مسلمانوں کی اور ملک کی اقتصادی، معاشی نیز سیاسی ترقی بھی دینی فرائض میں شامل ہے''۔ (مولانا حسین احمد مدنی مکتوبات جلد اول، ص ۲۱)

ہندوستان میں انیسویں بیسویں صدی کے دوران شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شروع ہوکر شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے نفسِ گرم سے ہوتی ہوئی یہی مجاہدانہ اسپرٹ اور یہی روش

اکابرِ دیوبند کے قائد سالاروں کی جماعت مہاجر مکی حضرت حاجی امداداللہؒ، مولانا محمد قاسمؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، پیر جی ضامن شہیدؒ کے سینوں میں پیوست ہوگئی تھی اور پھر رہبرانِ اُمت کے اِن سپہ سالاروں نے علَم جہاد کی یہ امانت اپنے علمی، روحانی اور سیاسی وارث مولانا (شیخ الہند) محمود حسنؒ کو سونپ دی اور پھر شیخ الہند نے اس نصیحت اور وصیت کے ساتھ کہ:

''جب تک فتح کامل نصیب نہ ہوجائے اور ہندوستان آزاد نہ ہوجائے ۱۸۵۷ء کا علم جہاد سرنگوں نہ ہونے پائے اور جنگ آزادی پورے حوصلے، ہوشمندی اور جاں نثاری کے ساتھ جاری رہے۔''

اپنے عزیز شاگرد مولانا حسین احمدؒ کو یہ امانت سونپ دی، مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اس اِرادے، عزم اور نیت کے ساتھ اپنے محبوب استاذ، علم و جہاد کے مُربّی کی امانت کو سنبھالا کہ ''یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید'' بہر حال اکابر کی اِس مُہم کو کامیابی تک پہنچانا ہے، اور پھر دنیا نے دیکھا اور بھارت کی جنگ آزادی کی تاریخ نے اِس کو اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا کہ حضرت مدنیؒ نے شیخ سعدی سے مستعار لے کر ایک سرمدی اعلان فرمایا۔

آں نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پُشتِ من
آں منم کہ درمیانِ خاک وخوں بینی سَرے

اور جنگ آزادی کی سنگلاخ وادی میں اتر گئے اور اس شان سے اترے کہ جب ہر قسم کی قربانیوں کے بعد اِس وادی کو طے کرکے ساحل مراد پر کامیابی کے ساتھ قدم رکھا تو جریدۂ عالم پر اپنے عہد کے اس عالم عارف اور مجاہد کا نام چمک رہا تھا اور بھلا کیوں نہ ہوتا حضرت تو:

''ہندوستان کی جہادِ آزادی میں موت کو شہادت کا درجہ دیتے اور قرآن سے اپنے اس دعوے کو ثابت فرماتے تھے'' (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مصنفہ مولانا فرید الوحیدی، ص ۳۶۷)

جس قدر شدت عزم و ہمت کے ساتھ مولانا پورے ملک میں دورے کرکے برطانیہ کے خلاف فضا بنا رہے تھے، ہندوستانیوں کے ذہن میں حکومت کے خلاف نفرت اور قربانی کا جذبہ ابھار رہے تھے، حکومت اُسی قدر اُن پر ظلم وسزا کے تیر برسا رہی تھی؛ چنانچہ جس قسم کی خوفناک سزائیں آپ جھیل رہے تھے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انگریزی حکومت جو رعایتیں دے کر آپ کو راضی کرنا چاہتی تھی، مولانا اس کو قبول کرلیتے اور بہت سے مشائخ، شیخ الاسلام، اساتذہ، علامہ، حکیم الامت کی طرح مدارس، مکاتیب، خانقاہوں کے عافیت خانے میں آرام فرماتے؛ مگر نہیں!

سکھ وچین کی زندگی، دنیاوی راحتوں کوقربان کردینے اور ہرلمحہ آزمائشوں اورصبرآزما مشکلات کے باوجود آپ اورآپ کی سرکردگی میں آپ کی جماعت، جمعیۃ العلماء بلاکسی شرط کے مکمل آزادی سے کم پرکسی طرح راضی نہ تھے۔اس سلسلے میں ابھی کانگریس گفت وشنید اورپس وپیش کے مرحلے میں تھی، حکومت سے رعایتوں اور مطالبات میں مصروف تھی، آزادیِ کامل اورسوراج کا اُس کے یہاں کوئی تصور بھی نہ تھا کہ ۱۹۲۶ء کلکتے کے اپنے اجلاس میں جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے مولانا مدنی نے آزادئ کامل کااعلان کردیا اور اس سے بھی پہلے جمعیۃ ہی کے ایک فرزندمولانا حسرت موہانی نے ۱۹۲۱ء میں احمدآباد کانگریس کے اجلاس میں آزادی کامل کی تجویز پیش کردی تھی۔ (حسرت موہانی شیخ الہند کی جماعت کے ایک رکن بھی تھے اور جمعیۃ مجلس عاملہ کے ممبر بھی)۔

حضرت کے جدوجہد آزادی کی رُوداد بہت تفصیل طلب ہے، کئی جلدوں میں بھی یہ تاریخ ختم ہونے والی نہیں ہے، ہم مختصرطور پر برطانیہ عہد کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ کریں تو سامنے آتا ہے ۴۷-۱۹۴۶ء میں لارڈ پیتھک اوردوسرے دوافسروں کی سہ نفری کمیٹی کی ہندوستان میں آمد مایہ مشن ہندوستانی مسائل کے حل اور ہندوستان کوآزادی دینے کی پالیسی پر گفتگوکرنے آیا تھا، ہنوستانی لیڈروں کے شملہ میں گفتگو ہوتی رہی، مسئلے سے متعلق مولانامدنی نے جوتجویز پیش کی برطانیہ کے اِن ذمے داروں نے اُسی کو پسند کیا اور اسی کوسامنے رکھ کراپنی رپورٹ پیش کی۔ (سائمن کمیشن) ہندوستان میں دستورسازی کے نام پر برطانیہ نے لارڈ جان سائمن کو بھیجا ۱۹۳۸ء میں مسٹرجان سائمن کی سربراہی میں کمیشن (سائمن کمیشن) پہنچ گیا، مگر ہندوستانیوں نے کمیشن کا بائیکاٹ کیااوراس مقاطعے اور بائیکاٹ میں مولانامدنی نے پورے ملک کادورہ کیا، آپ کا یہی کہنا تھا: ''ملک ہمارا ہے'' عوام ہمارے ہیں برطانیہ قانون بنانے والاکون ہوتا ہے'' (موتی لال نہرورپورٹ) سائمن کمیشن رپورٹ کے مقابلے میں کانگریس نے دستورسازی کے لیے ایک کمیٹی موتی لال نہرو کی سربراہی میں بنائی، اس رپورٹ کی بعض شق ایسی تھی جس سے کانگریس کو، نیشنلسٹ مسلمانوں کواور جمعیۃ کواتفاق نہ تھا، مولانا مدنی کی سربراہی میں جمعیۃ نے کھل کرنہرو رپورٹ کی مخالفت کی، مفتی کفایت اللہؒ نے کھل کراس کے خلاف بیان دیا (شاردا ایکٹ) نابالغ بچوں بچیوں کی شادی روکنے کے لیے ایکٹ پاس کیا گیا۔ ہندوؤں کے لیے یہ ایکٹ مفید ہوسکتا تھا؛ مگراسلامی پرسنل لا کے خلاف تھا، جمعیۃ نے آخرتک اس کی مخالفت کی، یہ چندعنوانات تفصیل کے قابل مطالعہ ہیں۔

اپنے عہد کے عظیم مفکر جناب خلیق نظامی نے صحیح فرمایا:

''محدث، مجاہد، پیر طریقت جو انسانی پیکر اِن تین عظیم الشان حیثیتوں کا جامع ہو اس کی شخصیت کی عظمت و دل آویزی الفاظ کے سہارے بیان نہیں کی جاسکتی۔'' (مقدمہ اسیر مالٹا)

جنگ آزادی میں حضرت مدنی کی قربانی کی تفصیل تو ہم جستہ جستہ پیش کریں گے، اس سے پہلے محترم خلیق صاحب مرحوم کے اسی مقدمے والے مضمون سے ایک اہم اقتباس پیش کررہے ہیں جس سے اس قربانی کے جذبے، ہمت اور اس انقلابی پروگرام میں عملی اشتراک کی جانب روشنی پڑتی ہے۔ (معافی کے ساتھ اقتباس کچھ طویل ہے) فرماتے ہیں:

''پھر جب آزادیِ وطن کے لیے قربانی دینے اور قید و بند کے مصائب برداشت کرنے کا وقت آیا تو ایسے سرفروشانہ انداز میں سرگرم عمل ہوئے کہ شاملی کے جہاد کی صدائے بازگشت دیوبند سے مالٹا تک گونج اُٹھی، وہ ایک کڑی ہے اس عظیم الشان تحریک کی جو بالاکوٹ سے سید احمد شہید کی قیادت میں اٹھی اور شاملی میں نیا پیکر اختیار کر کے یاغستان کے پہاڑوں اور مالٹا کے بیابانوں تک پہنچی، تاریخ میں ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی کہ ایک شخص بیک وقت روحانی زندگی اور سیاسی زندگی کے تقاضوں کو اس طرح پورا کر سکے کہ جیسے مولانا مدنی - اس کا راز صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ ان کی ذات میں یہ دونوں زندگیاں ایک ہی مقصد کے تابع تھیں ان کا عقیدہ تھا کہ جس نے ربِّ کائنات سے رشتہ نہیں جوڑا وہ مقصد حیات سے بیگانہ رہا''

یہ مقصد ہی رضائے الٰہی ہے جس کی طرف تمہید میں اشارہ کیا گیا ہے۔

جدوجہد آزادی میں شرکت کے اسباب:

وہ کون سا جذبہ تھا کیا اسباب تھے جس نے پُرسکون گوشۂ عافیت کو ترک کر کے سمندر کے بپھرے ہوئے طوفان میں کود پڑنے پر مولانا کو مجبور کیا، اس کی وضاحت کے سلسلے میں مولانا فریدالوحیدی صاحب لکھتے ہیں:

''مالٹا سے آنے کے بعد مدینہ طیبہ کا فوری ارادہ تھا اور وہاں سے اعزاء، بھائیوں، تلامذہ اور شاگردوں کا برابر اصرار بھی تھا کہ آپ واپس آجائیں؛ مگر حضرت کے نزدیک اس وقت دین و ملّت قوم و ملک کی خدمت ہندوستان میں زیادہ ضروری تھی۔''

خود حضرت مدنیؒ کا اس بارے میں کیا تاثر تھا۔ فرماتے ہیں: ''جس چیز سے مسلمانوں کو

فائدہ پہنچے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اسی لیے میں نے دور دراز ملک (ہندوستان) میں قیام کرنا پسند کیا ہے؛ حالانکہ میرا دل مدینہ منورہ، آں حضرت ﷺ، شانِ مدینہ اور برادرانِ عزیز کی یاد میں بے چین رہا کرتا ہے۔''

حضرت مولانا کی جنگ آزادی میں شمولیت کے سلسلے میں دو گوشے بطور اسباب ہمارے سامنے آتے ہیں، خارجی اور داخلی اسباب:

خارجی: عالمِ اسلام پر انگریزوں کے بے پناہ مظالم۔

داخلی: اپنے وطن ہندوستان کے ساتھ نازیبا سلوک۔

خارجی کی تفصیل:

اسلامی ممالک کی شان وشوکت سے دنیا کی نظریں خیرہ ہورہی تھیں، اسلامی شعائر واحکام ہرطرف سربلند تھے، یہ ترقی یہ عروج خار کی طرح یورپ کی آنکھ میں کھٹک رہا تھا، عیسائی دنیا نے اپنے روایتی مکروفریب، عہدشکنی اور دھوکے سے عالم اسلام کے قلب میں اپنے پنجے مضبوط کرنے شروع کردیے، بہت جلد اسلامی سلطنتوں خصوصاً ترکی پر اپنی دشمنی، بدعہدی، مکروفریب اور بہانے بازی کے ذریعے قیامت کا منظر پیش کردیا، انسانی ذہن اُن مظالم کا تصور نہیں کرسکتا، جو مغرب کے بھیڑیوں نے مشرق کے مظلوموں کے ساتھ روا رکھے اور اُن کے جسم وجان، مال منال عزت و آبرو کو لوٹا، برباد کیا، غرض کہ اسلام دشمنی اور مسلماوں کے ساتھ نفرت میں ایسے مظالم کیے کہ خود عیسائی دنیا چلا اٹھی۔

انگریزوں کے مظالم کا یہ ایک ایسا طوفان تھا، جس نے پہلے شیخ الہند کے قلب کو پھر مولانا مدنی کے دل ودماغ کو انگریز نفرت سے بھردیا اور ایسی نفرت پیدا کی کہ دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ دشمنی اس قوم سے ہوگئی۔ اپنے ملک میں اُن کا ناپاک وجود کسی طرح گوارا نہ تھا۔

داخلی کی تفصیل:

دوسرا سبب داخلی تھا، یعنی اس کا تعلق اپنے وطن سے تھا اور اس نے بھی آپ کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کررکھی تھی، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۶۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک پھر ۱۹۴۷ء تک مادرِ وطن پر سامراج کا بھیانک ظلم وستم، لوٹ کھسوٹ، اور استحصال کا خطرناک سلسلہ جاری تھا۔ مولانا کا ذہن اس بارے میں بہت حساس تھا اور احساس کی یہ شدت اُس ماحول کی دین تھی جو بچپن میں اسکول کے نصاب سے ان کے ذہن نے قبول کیا خود انھیں سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

’’جب کہ میں اسکول میں پڑھتا تھا تو مجھ کو تاریخ اور جغرافیہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی، ہندوستان کی پرانی عظمتوں اور جغرافیائی قدرتی ہمہ گیر برکتوں نے نہایت گہرا اثر کیا اور پھر اہل ہند کی موجودہ بے کسی کا اثر روز افزوں ہوتا رہا، اس زمانے کے ختم ہونے پر مجھ کو آزاد ممالک عرب، مصر، شام وغیرہ کی سیاحت اور قیام کی نوبت آئی، اس نے مجھ کو وطن کی محبت میں اور زیادتی پیدا کردی اور اس احساس کو نہایت قوی کردیا کہ آزادی کس قدر ضروری ہے اور بغیر آزادی کے کسی ملک کے باشندے کس قدر بے بس اور اپنے ملک کی قدرتی فیاضیوں سے محروم ہوتے ہیں۔‘‘ (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد، فریدالوحیدی، ص ۱۶۷)

ہندوستان میں انگریزوں کے منحوس قدم آنے سے پہلے کی برکتوں اور اُن کے آنے، قبضہ اور لوٹ گھسوٹ کے بعد کنگال ہندوستان کا موازنہ کرتے ہوئے حضرت مولانا بڑے بڑے جلسوں میں اعداد وشمار کے ساتھ گھنٹوں ہندوستان کے اقتصادی، معاشی، تجارتی اور صنعتی ترقی، اشیاء کی قیمتوں، بازار کے نرخ وغیرہ کا تفصیلی بیان فرماتے، اس ضمن میں انگریزوں کے لوٹ گھسوٹ کی اور غریب ہندوستان پر ان کے مالی بوجھ رکھنے کی داستان بھی بیان کرتے تھے۔ تفصیل میں جانے سے بات بڑھ جائے گی، اتنا ضرور کہنا ہے کہ حضرت کی اِن تقاریر کے بعد عام ہندوستانیوں کے دل میں انگریزی حکومت کے خلاف شدید غصّہ، نفرت اور غیض وغضب بھر جاتا تھا۔ حضرت اس پر بہت زور دیتے تھے اور ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے میں دلچسپی کے حوالے سے یہ ایک تاریخی صداقت بھی تھی کہ ’’برٹش حکومت نے صرف ہندوستان پر حکومت اور طاقت کے بل پر ساری دنیا پر اپنی دھاک بٹھا رکھی ہے اور قبضہ کررکھا ہے، جس دن ہندوستان سے اس کی حکومت ختم ہوگی ساری دنیا ایشیا، افریقہ عرب ممالک سے اس کا بوریا بستر گول ہوجائے گا‘‘ یہ فیصلہ تاریخ نے ثابت کردیا، دنیا دیکھ رہی ہے آج برطانیہ کتنا سمٹ کر رہ گیا ہے (اس موقعے پر ایک لطیفہ لکھنے کو بار بار جی چاہ رہا ہے، موضوع سے غیر متعلق ہی سہی)

میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سعید الوحیدی اپنے بیٹے فیصل وحیدی سے ملنے لندن گئے، لندن میں ایئرپورٹ پر ایک کاؤنٹر پر انگریز افسر نے اُن کے (کسی ضابطے کے مطابق) دریافت کیا: ’’تم یہاں کتنے دن ٹھہروگے؟‘‘ سعید نے برجستہ جواب دیا، جب آپ ہمارے ملک میں آئے تھے تو ہم نے تو نہیں پوچھا تھا کہ آپ کتنے دن ٹھہریں گے اور آپ ۲۰۰ سال ٹھہر گئے)۔

بہرحال یہ خارجی وداخلی محاذ پر دو ایسے المناک حادثے تھے جس نے عبادت، ریاضت،

تعلیم وتدریس حتی کہ حرم محترم اور اپنے محبوب ﷺ کے روضۂ پاک سے دور رہ کر ہندوستان اور اپنے بھائیوں کی خدمت پر آمادہ کیا، خدا ہی جانتا ہے دیارِ محبوب سے دور رہ کر دلِ سوزاں اور قلب سوختہ جان کی حرارت کا کیا حال رہتا تھا؛ مگر جیسا کہ پیچھے گذرا ''آپ کو ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت بہت محبوب تھی'' اور کیا خبر یہ 'مدینہ والے پیا'' کے اشارے پر فیصلہ کیا گیا ہو۔

میانِ عاشق معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہ ہم خبر نیست

(کبھی حضرت کی زبانِ مبارک سے اسی خادم راقم تحریر نے نہایت بے چینی سے ایک مصرعہ پڑھتے سنا، ممکن ہے ضبط ٹوٹ کر اُسی درد کا اظہار ہو جاتا ہو۔

پیا بنا تپے موری ناری ناری

خیر! یہ تو سخن گسترانہ بات مقطع میں آپڑی۔

بقول خود حضرت مدنیؒ کے ''قومی خدمت خارجی کا گھر نہیں ہے اس میں پاپڑ بیلنے اور ایلوے کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں (ایک مکتوب سے) ایک جوش تھا، ایک جنون تھا، سُود وزیاں سے بے نیاز نکلے تھے اور ہوا بھی یہی۔

جنوں کے جوش میں نکلے جو گھر سے
اِدھر سے ہم چلے پتھر اُدھر سے

راہ میں کتنے طوفان آئے حاسدین ومخالفین نے کیسے کیسے کانٹے بچھائے، قدم قدم پر آپ کو مہلک ترین خطرات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

معاندین ومخالفین کی حرکتیں:

لارڈ منٹو کی گورنری کا دور تھا، ہندوؤں، مسلمانوں میں انگریزوں ہی کی چالبازی سے کچھ خفگی اور ناچاقی پیدا ہوگئی تھی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' پالیسی کے مطابق منٹو نے اختلاف کی اس خلیج کو اور بھی وسیع کردیا، انگریز نواز کانگریس اور نیشنلسٹ ہندو مسلمانوں سے ناراض کچھ نادان مسلمانوں کو ملاکر ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کی ایک تنظیم مسلم لیگ کے نام سے قائم کردی گئی، مسلم لیگ کی پالیسی (انگریز موافقت مخالف کے حوالے سے) کانگریس سے الگ تھی، ہمارے حضرت مدنی جو کانگریس پالیسی کے تحت انگریز مخالفت میں پیش پیش تھے، لامحالہ مسلم لیگی جوان طبقہ اُن کے خلاف تھا اور اس اختلاف کو جس بھونڈے، جارحانہ انداز پر اختیار کیا گیا، حضرت کی جان،

عزت آبرو سے کھلواڑ کیا گیا نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی، اس سے انسانیت سوسو بار شرمسار ہوئی۔ اپنوں، پرایوں کی گالی، طنز و تشنیع، سب وشتم، لاٹھی ڈنڈے جوتے چپل حتی کہ تھوک وگندگی حضرت پر پھینکی گئی، داڑھی پکڑ کر ہلائی گئی، یہ تو حضرت کے لیے اپنے وطن اور اپنے ہم قوم نادانوں کی سوغات تھی، ایک دوسری قوم جو نشۂ غرور، طاقت اور حکومت میں غرق تھی جس سے نہ وطنی رشتہ نہ مذہبی وسماجی جوڑ جو بالکل اجنبی اور ہر طرح ظلم وستم پر آمادہ تھے یعنی حکومت کے طبقے کے لوگ اُن کی طرف سے، جیل قید خانہ، ہتھکڑی، بیڑی، پھانسی کا تختہ کالی کوٹھری ملک بدری طرح طرح کی سزائیں منھ کھولے کھڑی تھیں اور بہانے تلاش کر رہی تھیں، حضرت اِن بندر بھبکیوں سے ڈرنے والے کب تھے، ایمان ویقین، عزم وحوصلے کے پہاڑ تھے، ہنستے کھیلتے موج حوادث کو شکست دیتے آگے بڑھتے چلے جارہے تھے، بقول شاعر۔

راستہ روکو نہ میرا ، دُور جانا ہے مجھے
ساتھ ساتھ آتے رہو اور گالیاں دیتے رہو

اُنھیں اپنے اکابر سے عہد کی لاج رکھنی تھی، مظلوم ہندوستان کو ظالم کے شکنجے سے آزاد کرنا تھا۔

آزادی کے معرکے میں سیاسی طریقۂ کار

انگریزوں سے مقابلے میں تشدد اور مقابلہ بالسیف (سلطان ٹیپو، سراج الدولہ اور ۱۷۵۷ء سے ۱۸۵۷ء پھر اُس کے بعد قریبی زمانے میں معرکۂ شاملی، نیز حضرت شیخ الہند اور آپ کے برسوں بعد سبھاش چندر بوس) سب کا تجربہ ناکام ثابت ہو چکا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہند نے ایک ہوشیار تجربے کار جرنیل کی طرح میدان جنگ کا نقشہ اور جنگ کی ٹیکنک بدل دی، اب آپ نے ملک میں سرگرم سیاسی پروگرام عدم تشدد، خلافت اور کانگریس کی پالیسی کو اپنالیا، چنانچہ ہندو مسلم اتحاد، ترکِ موالات، بائیکاٹ، عدم تعاون فوج میں شرکت سے ہندوستانیوں کو روکنا، مغربی مصنوعات کی جگہ دیسی مصنوعات کا استعمال یہ موٹے موٹے عنوانات اور افعال تھے جو ہندوستان کے سیاسی ماحول میں شدّت سے رائج تھے اور حضرت مدنیؒ نے اسے اپنالیا اور پھر پورے اذعان ویقین کے ساتھ استحکام ومضبوطی سے اس پر قائم رہے۔ یوں تو حضرت مدنی کی خدمات آپ کی شخصیت آپ کی خصوصیت کے مختلف پہلو ہیں، ہر پہلو پر تصنیف کی کئی کئی جلدوں میں گفتگو ہوسکتی ہے، حدیث وقرآن کے عالم اس کے معانی ومطالب کے رمز آشنا، از ہر ہند دارالعلوم کے شیخ الحدیث، روحانیت میں پیر طریقت اور رئیس الاولیا، ریشمی رومال

تحریک کے اہم سپاہی، مہمان نوازی، اخلاق، اخلاص تحریک خلافت کے داعی اعظم، ہندو مسلم اتحاد کے مضبوط حامی و داعی وغیرہ وغیرہ سیکڑوں ابواب ہیں، ہم ان میں سے چند اہم کی طرف اشارہ کرکے خدمات عالی میں نذرِعقیدت پیش کرسکتے ہیں۔

فوج کی مخالفت اور مقدمۂ کراچی:

۱۹۲۰ء میں مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہند کے انقلابی فیصلے (عدم تشدد) کے بعد حضرت مدنیؒ کا پورے ملک میں، اسی فیصلہ شدہ اسکیم کے تحت، دورہ شروع ہوگیا، ایسے ہی ایک کانفرنس میں تقریر ہوئی، آپ حکومت برطانیہ پر کھل کر برسے اور دشمن کو للکارا، آپ نے اعلان کیا ''حکومت برطانیہ کی فوج میں شامل ہونا حرام ہے'' لوگوں کو سمجھایا برطانیہ کی ناپاک پالیسی ہندوستانی فوجوں سے مسلمانوں کو قتل کروانے والی ہے، ان کا گھر مال و دولت لوٹاتی ہے، ان کو بے عزت و بے آبرو کرواتی ہے، اگر کوئی فوجی اس چیز کو حلال سمجھے گا تو وہ کافر ہوجائے گا، شرعی حیثیت سے کسی قسم کی مدد حکومت برطانیہ کی کرنا حرام ہے، ہر قسم کا موالات اور تعاون حرام ہے، مسلمانوں پر ترکِ موالات فرض ہے۔ یہ تقریر کیا تھی حکومت کو ایک چیلنج تھا، ایک دھمکی بلکہ حکومت کے خلاف ایک دھماکہ تھا؛ چنانچہ آپ کے نام وارنٹ جاری ہوگیا، قید ہوئے اور کراچی میں مقدمہ چلا، خالق دنیا ہال کراچی کی خصوصی عدالت میں سماعت ہوئی، عدالت کیا تھی وہ بھی سُن لیجیے: انگریز جج جن کی حکومت کو حضرت نے للکارا تھا، ہر قسم کی سنگین سے سنگین سزا دینے کے موڈ میں۔ پورے ہال میں کھلی ہوئی سنگینیں تانے ہوئے انگریز فوجی اور سپاہی، ہر آنکھ انتقام، غصّے اور حقارت سے سرخ۔ اور کٹہرے میں ایک ایسا ملزم جس کی، اُن کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی، جو ان کی حکومت کے لیے سخت خطرہ تھا، ایسے خوفناک پُر ہول ماحول میں بدن ہی نہیں روح میں لرزہ طاری ہوجائے، ایک شیر دہاڑ رہا تھا۔

پہلے تو مولانا نے قرآن وحدیث کی روشنی میں انگریزوں کی فوج میں ہندوستانیوں کی شرکت کو حرام قرار دیا، آزادی اور اس کے حصول کی ہر قسم کی جدوجہد کو ہر ہندوستانی کا حق ثابت کیا، بیان تو اِسی انداز پر گھنٹوں چلتا رہا، مجمع تھا کہ خوف وحیرت میں گم سُم سوچ رہا تھا، مولانا کو پھانسی گولی سے کم سزا نہ ملے گی؛ مگر جہاں ''موت وحیات صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر ایمان ہی نہیں یقین ہو، جہاں ظالم وجابر حاکم کے منہ پر حق بات کہنی ایک سچے مومن کا فرض سمجھا جاتا ہو وہ ایسی سزا کو بھی کب خاطر میں لاتا، اس بیان کا آخری جملہ غور سے سننے کے اور دل پر رکھنے کے

لائق ہے، جس سے آسمان ہل گیا، زمین لرز گئی، سننے والوں کا کلیجہ منھ کو آ گیا، یہی وہ تاریخی جملہ تھا کہ جیسے ہی ایک بہادر نڈر حق گو کے ہونٹوں سے نکلا، مولانا محمد علی جوہر آگے بڑھ کر پیروں پر گر پڑے، آپ نے بیان ختم کرتے کرتے فرمایا:

''اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے پر تیار ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں گے اور حسین احمد پہلا شخص ہوگا جو اپنی جان قربان کردے گا۔''

بہرحال مقدمے کا فیصلہ ہوا، تمام کوششوں کے باوجود بغاوت ثابت نہ ہوسکی، گویا موت آپ کو چھوکر نکل گئی، ابھی اللہ کو اپنے اس نیک بندے سے اپنی مخلوق کی اور خدمت لینی تھی، فیصلہ دوسال قید بامشقت پر آکر ختم ہوگیا۔

اس سیاسی جدوجہد کا ایک اور موثر طریقہ:

حضرت مدنی ہندو مسلمانوں کے درمیان فکری، سیاسی اور عملی اشتراک کو ہندوستان کی آزادی کے حصول کے لیے نہایت ضروری اور اہم خیال فرماتے تھے۔ آپ کا سیاسی عقیدہ تھا کہ اگر ہندوستانی اقوام کے درمیان اتحاد نہیں ہوتا تو ایشیا بالخصوص ہندوستان آزادی کی برکت سے محروم رہے گا، سامراج کا پنجہ یہاں جما رہے گا؛ چنانچہ ملک بھر میں دورہ کرکے تقریروں میں متحدہ قومیت پر پورا زور دیتے تھے۔ حدیث وقرآن اور سیاسی تجربے کی بنیاد پر اس کے حق میں دلائل کا انبار لگادیتے تھے، یہ امرِ واقعہ بھی ہے کہ انگریز اگر اپنی حکومت کے استحکام وبقا کے لیے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل کو ضروری سمجھتا تھا، تو اس زہر کے توڑ کے لیے، متحدہ قومیت، سے بہتر کوئی تریاق نہیں تھا اور اسی سے اس ظالم حکومت کی کمر ٹوٹ سکتی تھی اس کے مقابلے میں Two Nation the ory (دوقومی نظریہ) اور جداگانہ انتخاب کی پالیسی ملک کی آزادی کی راہ میں سخت رکاوٹ تھی۔

جمعیۃ علماء ہند:

''جو جمعیۃ کی کسی حیثیت سے خدمت کرے گا انشاء اللہ خدا کے یہاں اجر کا مستحق ہوگا''
(حضرت مدنی کے ایک مکتوب سے)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی تمام سرگرمیوں، عملی سیاست، اصلاح وتبلیغ کا مرکزی اسٹیج مسلمانوں کی تاریخی جماعت، جمعیۃ علماء ہند تھی، اس جماعت کی سرپرستی قیادت بہ طور صدر حضرت ہی انجام دیتے رہے، جمعیۃ علماء اپنے زمانے میں ملک کے بعض اہم معاملات میں صحیح فیصلہ لینے میں

کانگریس کو اور دوسری تنظیموں کو پیچھے چھوڑ چکی تھی؛ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب کانگریس اور دوسری جماعتیں حکومت برطانیہ سے محض رعایتیں مانگ رہی تھیں، گفت وشنید اور اصلاحات کی طلب گار تھیں، بوریہ نشین علماء کی اس جماعت نے جس کے رہبر، قائد اور پالیسی میکر صدر حضرت شیخ الاسلامؒ تھے، آگے بڑھ کر بانگ دُہل ''آزادئ کامل'' کا مطالبہ کیا، یاد رہے جمعیۃ نے ۱۹۲۶ء میں یہ انقلابی اعلان کردیا تھا؛ جبکہ کانگریس نے ۱۹۲۹ء میں یہ تجویز پاس کی، جمعیۃ کو یہ تقدم بھی حاصل ہے کہ اس کے ایک فرزند ملک کے شعلہ جوالہ انقلابی لیڈر مولانا حسرت موہانی نے ۱۹۲۱ء ہی میں احمد آباد کانفرنس میں قصر برطانیہ میں یہ صور پھونک دیا تھا، واضح رہے کہ جناب حسرت موہانی جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کے ممبر اور جمعیۃ کے رہبر اعظم حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے وفادار تلمیذ وسپاہی مولانا عبیداللہ سندھی کی ہندوستان سے باہر حکومت موقتہ کے ہندوستانی ممبر تھے، اس طرح اس انقلابی اعلان کی اس اوّلیت کا اعزاز بھی جمعیۃ ہی کو حاصل ہے۔

حضرت مدنیؒ کے سیاسی فیصلوں اور رجحان کے مطابق ہمیشہ جمعیۃ متحدہ قومیت کی شدّت سے حامی رہی۔

اور اب شام ہوگئی:

آزادی کے بعد کے حالات اور عمر بھر کی تگ ودو کا یہ نتیجہ دیکھ کر ملک میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، اپنی قوم مایوسی اور قنوطیت کا شکار تھی اُسے آزاد ملک میں جینے کا حق بھی نہ مل سکا، بقول فیض احمد فیض مرحوم ؎

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

ان حالات نے ہمارے حضرت کو مغموم ودل شکستہ کردیا تھا، یہ داستان بہت طویل ہوجائے گی کلیجہ خون بن کر آنسو کی جگہ آنکھوں سے بہنے لگے گا، بہتر ہے حضرت ہی کے ایک مختصر، دل سوز بیان سے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھادیا جائے۔ فرمایا:

''ہماری اسکیم فیل ہوگئی، ہماری کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی؛ اگر مسلمان ہماری بات مان لیتے تو یہ تبادلۂ آبادی نہ ہوتا اور یہ خون کی ندیاں نہ بہتیں۔'' (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، فرید الوحیدی)

۱۹۵۷-۳/ بجے دوپہر، ساری زندگی کا تھکا ہوا مسافر عاشق رسول ﷺ، مقبول بارگاہِ رب صمد، بندگانِ خدا کا خیر خواہ اور ہمدرد، شیخ طریقت، شیخ الحدیث والتفسیر اسیر مالٹا وکراچی اپنے مولانا

کے حضور حاضر ہوگیا۔ فرشتوں نے یَا اَیَّتُھَا النفسُ المُطمئنّۃ اِرجِعی اِلیٰ ربِك رَاضِیَۃً مَّرضِیَّۃ کہہ کر استقبال کیا۔ رحمۃ اللّٰہ علیہ.

آخری بات:

ہمارے حضرت صبر کا پہاڑ تھے، بڑے بڑے مصائب ومشکلات آزمائش وامتحان آئے، کبھی زبان سے ایک حرفِ شکایت نہ نکلا، دوسری بات یہ کہ آپ نے جو کچھ کیا دنیوی نفع، سود وزیاں، کسی منفعت ولالچ، کسی عہدے، منقبت وتعریف کا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ ۴۰ برس وقار وعزیمت کے ساتھ حضرتؒ نے ہر قسم کی عداوتیں، رقابتیں، طنز وتشنیع، سب وشتم، مختلف قسم کی ناروا حرکات برداشت کیں، اس کوہ گراں نے کبھی اپنے ساتھ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیا، کسی مخالفت، عداوت، جلسوں میں ہلڑ بازی، پتھر بازی پر کبھی کوئی شکوہ، ناراضگی، خفگی کا اظہار نہیں فرمایا:

آزادی کے بعد ہماشما، جس نے کبھی اس جنگ میں شرکت بھی نہیں کی، برطانیہ کی جی حضوری کرتا رہا یا جو انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہوگیا، سب نے خوب خوب قیمتیں وصول کیں؛ مگر حضرت مدنیؒ کا دامن کسی آلودگی سے ملوث نہ ہوا اور جب ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز ''پدم بھوشن'' کا تمغہ دیا گیا تو شکریے کے ساتھ واپس کردیا، بقول مولانا ارشد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء ہند: ''ساری زندگی قربانی دی جب مُراد پوری ہوئی مقصد حاصل ہوگیا، انعام ملنے کا وقت آیا تو منھ پھیر لیا، کروٹ لے کر لیٹ گئے''۔ (تقریر بمبئی جلسہ زیر صدارت جناب ابوعاصم اعظمی)

❁ ❁ ❁

وشو (عالم) کو گروپ (بدصورت) بنانے کی اجازت کیوں؟

از: ڈاکٹر ایم اجمل
۱۵- گاندھی روڈ، دہرہ دون

آج کے دورِ منافقت میں اصول وقوانین کے بجائے طاقت ودھونس اور موقع پرستی کو جائز ناجائز اور حق وباطل کا معیار مان لیا گیا ہے اور یہی آج کے دور میں فتنہ وفساد کی اہم وجہ ہے۔ ''آزادی اظہار رائے''، ''اسلامی دہشت گردی''، ''بربریت''، ''خواتین کے حقوق کی پامالی'' چند ایسے بکثرت استعمال ہونے والے الفاظ ہیں، جن کے ذریعہ دوہرے پیمانے اپنا کر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جارہا ہے، اور اس کام میں مسلمانوں کا نام نہاد روشن خیال درحقیقت ایمان فروش طبقہ دشمنانِ انسانیت کا پورا ساتھ دے رہا ہے۔ ایک ہی طرح کے حادثات پر الگ الگ طرح سے لیبل لگا کر پروپیگنڈہ کرکے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جاتا ہے، امریکہ میں گولی باری میں ۲۶ بچے مارے گئے، کوئی لیبل نہیں لگا۔ ایک ملالہ کو گولی ماری گئی ''اسلامی دہشت گردی'' ہوگئی۔ مالیگاؤں، مکہ مسجد، اجمیر درگاہ وغیرہ وغیرہ میں بھی بم پھٹے بے گناہ شہید ہوئے، خون بہا، عورتیں بیوہ ہوئیں، بچے یتیم ہوئے اس کو انجام دینے والے ہندو دہشت گرد تھے، ان سب کا تعلق حکومت ہند کے داخلہ سکریٹری کی رپورٹ کے مطابق آرایس ایس یا اس کی ذیلی تنظیموں سے جڑے ہوئے تھے، اس کے بعد بھی ''ہندو'' یا BJP کی دہشت گردی کہنے پر سارا ہندوستان کا فرقہ پرست اور لبرل طبقہ بلبلا اٹھا، جو میڈیا، دانشور، خود اڈوانی، تو گڑیا وغیرہ وغیرہ دن رات ''اسلامی آتنک واد'' کا فلسفہ بگھارتے تھے Channel پر بیٹھنے والے دہلی پولیس کے سابق سربراہ ڈوڈوال، سابق سربراہ بی ایس ایف پرکاش سنگھ اور نہ جانے کون کون ماہرین دہشت گردی ہتھے سے اکھڑ گئے کہ ہندو دہشت گردی کیوں کہا؛ جبکہ جو کچھ بھی ہندو دہشت گردوں نے کیا وہ دوہرا جرم ہے، ایک تو بے گناہوں کو شہید کیا، دوسرے سازشاً اپنی کرتوت بے گناہوں کے سر منڈھنے کی ذلیل اور مجرمانہ حرکت بھی کی، ان کو ہندو دہشت گرد نہ کہو؛ جبکہ اِن کے گرو سنگھ پریوار کے

سیاستداں کا یہ مقولہ میڈیا اور عوام میں قبولِ عام حاصل کرچکا ہے کہ ’’ہر مسلمان دہشت گرد نہیں ہے؛ مگر ہر دہشت گرد ضرور مسلمان ہوتا ہے‘‘۔ اس لیے مسلم یا ’’اسلامی دہشت گردی‘‘ کہا جاتا ہے؛ مگر ہندو دہشت گردی کہنے پر آسمان سر پر اٹھالیا گیا اور وزیر کو کوئی بھی حمایتی نہیں ملا۔

مگر جیسے ہی دلآزار فلم میں مسلمانوں اور اسلام کی شناخت کو داغدار کرنے کی حرکت پر مسلمانوں کا ردِعمل سامنے آیا تو ’’اظہار رائے کی آزادی‘‘ خطرہ میں پڑگئی۔ وزیر داخلہ سے لے کر تمام ہندی، انگریزی اخبار اور بعض ایمان فروش اردو اخبار بھی مافی الضمیر کے اظہار کی آزادی اور ادب وتخلیقیت کی آزادی کے تحفظ کے علمبردار بن کر مسلمانوں پر دشمن کی طرح ٹوٹ پڑے۔ کل تک جو ہندو دہشت گردی کہنے پر (جو کہ ثبوتوں کے ذریعہ ثابت ہے) بھڑک گئے تھے اور آزادی اظہار رائے کے حق پر حملہ کررہے تھے، آج ایک دم سے حق اظہارِ رائے کے چمپئن بن گئے ہیں اور مسلمانوں کو صبر وحکمت کا پاٹھ پڑھا رہے ہیں۔ یہی روگ منافقت دنیا بھر میں بدامنی کو جنم دے رہا ہے، جہاں طاقت ور کے مفادات یا مقامات یا شعائر کو ٹھیس پہنچے تو فوراً قومی سلامتی، نقضِ امن اور لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ بن جاتا ہے؛ مگر یہی ظالم طاقتیں دن رات کمزوروں کے شعائر، ان کے اعتقادات، مقاماتِ مقدسہ اور مذہبی شخصیات کی دانستہ اور منظّم سازشیں کرتی رہتی ہیں، جب سے ہالی وڈ نے Holly w ood نے جنم لیا ہے تب سے اسلام، مسلمانوں کی نہایت غلط، مسخ شدہ صورت فلموں میں لگاتار پیش کی گئی ہے۔ ہر دوسری تیسری فلم میں خراب کردار کے عرب؛ کالے یا افغان مکمل شناخت کے ساتھ دکھائے جائیں گے۔ انھیں مذہبی اعمال خصوصاً نماز ادا کرتے ہوئے بار بار دکھایا جائے گا، جیسا کہ کمل ہاسن نے دکھایا ہے۔ اس سے پہلے Gang of Warrey pur وغیرہ سیکڑوں فلموں میں دکھایا گیا ہے، کہ مجرم، بھائی یا دادا عربی رومال پہنتا ہے، نماز پڑھتا ہے، تسبیح پڑھتا ہے، مزار پر جاتا ہے، گھر میں خانہ کعبہ کا بڑا پورٹریٹ ہوتا ہے؛ مگر یہ سب شناختی علامات دیگر غیر مسلم مجرموں کے ساتھ عموماً نہیں چپکائی جاتیں۔ Holly w ood کو مسلمانوں نے دنیا بھر میں چیلنج نہیں کیا، امریکہ میں چیلنج کرنہیں سکتے تھے، باقی مسلمان ذہنی یا جسمانی غلامی میں مبتلا تھے ہی نتیجہ یہ ہے کہ آج پورے عالم میں عموماً اور یوروپ اور امریکہ میں خصوصاً مسلمانوں کی شناخت خونخوار، جاہل، مجرم ذہن کی بنادی گئی ہے؛ اگر ہالی وڈ کو اسی طرح چیلنج کیا جاتا اور بالی وڈ کو بھی جیسا آج کیا جارہا ہے تو یہ نوبت نہیں آتی، مسلمانوں نے دہائیوں تک نہ ہالی وڈ کی شیطانی صیہونی سازش کو چیلنج کیا نہ بالی وڈ کی مسلم دل آزاری کو چیلنج کیا جو کہ جمہوریت

میں ان کا حق ہے تو نتیجہ سامنے ہے۔ جس طرح سے وشوروپم میں مسلمان کردار تلاوت اور نماز ادا کرتے کرتے جا کر بم پھوڑتے دکھایا گیا ہے کیا داؤد ابراہیم، حاجی مستان، شہاب الدین، مختار انصاری وغیرہ وغیرہ سب ایسے ہی عربی رومال، داڑھی، ٹوپی، تسبیح کا استعمال کرتے ہیں جیسا کہ بالی وڈ دکھاتا ہے؟ تو پھر کرنل اور مجرمانہ کرداروں کو مسلمان نام کے ساتھ اسلامی شناخت کو کیوں قصداً ہائی لائٹ کیا جاتا، آج بھی تمام میڈیا ''اسلامی دہشت گردی'' لفظ استعمال کرتا ہے TOI کا ۳۱/۱/۲۰۱۳ء کا آڈیٹوریل دیکھیں Islamist terrorist لفظ اداریہ میں استعمال کیا ہے؛ مگر اسی منافق ایڈیٹر کو ''ہندو دہشت گردی'' لفظ پر اعتراض تھا۔ دنیا میں کہیں بھی اسلام اور مسلمانوں کے علاوہ مذہب سے جوڑ کر دہشت گردی کی اصطلاح نہیں استعمال کی گئی، سری لنکا میں تمل ہندوؤں کی دہشت گردی یا آزادی کی لڑائی ۳۰ سال سے بھی زیادہ چلی دور جدید میں خودکش بمباری کے وہ موجد بھی ہیں؛ مگر ان کے نام کے ساتھ کبھی بھی ہندو دہشت گرد نہیں لگا؟ اسپین کے باسک آزادی پسندوں نے لاکھوں اسپینی باشندوں کو نشانہ بنایا، آئرلینڈ میں عیسائی فرقہ نے دوسرے فرقہ کے ہزاروں لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا، سوڈان میں جنوبی سوڈان کے عیسائی علیحدگی پسندوں نے لاکھوں مسلمانوں عوام اور فوجیوں کو شہید کیا، امریکی افواج نے ویت نام میں لاکھوں بودھوں کو قتل کیا، ہندوستان میں ۶۵ سالوں میں ہزاروں لاکھوں مسلمان ہندو فرقہ پرست پولیس کے ذریعہ شہید کیے گئے؛ مگر ان سب کو کبھی ہندو، عیسائی، بودھ دہشت گرد نہیں کہا گیا، زیادہ سے زیادہ علیحدگی پسند یا جنگجو کہا گیا؛ مگر یہ ''اسلامی دہشت گرد'' کا اعزاز صرف امت محمدیہ کو دیا گیا۔ کیوں؟... اگر تاریخ کے اوراق میں بے گناہوں کے قتل وخون اور انسانوں کو غلام بنا کر نسل وفصل کی بربادی کا حساب کتاب بنالیا جائے تو پتہ لگ جائے گا کہ کس مذہب کے ماننے والوں کے کھاتہ میں کروڑوں کے حساب سے بے گناہ انسانوں کے قتل وخون کا ریکارڈ مندرج ہوگا۔ یوروپ کی آپس کی لڑائیاں، کروسیڈس، امپریلیزم کے نام پر کمزور قوموں کو غلام بنانے کا دھندہ اور نتیجتاً کروڑوں انسانوں کا قتلِ عام، بے روزگاری، ظلم واستیصال پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کا کروڑوں انسانی جانوں کا قتل اور ہیروشیما ناگاساکی، عراق پر ناجائز قبضہ اور ویتنام پر حملہ کس مذہب کے کھاتہ میں جانا چاہیے؟ بالی وڈ کی ایک بھی فلم ان موضوعات کے اصلی مجرموں کو صلیب، گرجا، مریمؑ کے مجسّموں کے بیک گراؤنڈ کے ساتھ کیوں نہیں دکھاتی؟ بالی وڈ کی کتنی فلموں نے فرقہ وارانہ فسادات کے اصل مجرموں کو ان کی مذہبی شناخت کے ساتھ فلمایا ہے؟ ایک

دو فلمیں ایسی بنی بھی تو انھیں دکھانے نہیں دیا گیا؟ آج سلمان رشدی کی چہیتی بن کر دیپا مہتہ پورے میڈیا کی ڈارلنگ بنی ہوئی ہیں، کل جب انھیں ہندی فلم Water (واٹر) فلمانے کے لیے وارانسی (بنارس) میں ہندوؤں نے مخالفت کی تو اس میڈیا نے اور بھارت سرکار یا یوپی سرکار نے اس کی مدد کیوں نہیں کی؟ مگر آج وہ رشدی کے ساتھ ہے تو میڈیا اور سرکار بھی اس کے ساتھ ہے؟

حقِ آزادی اظہار کا تازہ ترین نمونہ برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز نے ایک کارٹون میں اسرائیلی وزیراعظم کو فلسطینیوں کے خون اور لاشوں کے ساتھ دیوار بناتے دکھایا تو قیامت ٹوٹ پڑی۔ برطانیہ کے ہی لبرل ڈیموکریٹ رکن پارلیمان ڈیوڈ وارڈ نے اپنے بلاگ میں یہودیوں کے فلسطینیوں پر مظالم کو نازی جرمنی کے یہودیوں پر ڈھائے گئے مظالم ہولوکاسٹ کے مشابہ قرار دیا۔ اس پر رکن پارلیمان کو ایک ہفتہ کے اندر معافی مانگنی پڑی۔ (ہمارا سماج، دہلی ۳۰/۱/۲۰۱۳ء)

اگر بم دھماکہ، قتل خون جرم ہے تو سب کے لیے ہے یا صرف مسلمان کرے تو جرم ہے یہودی، ہندو، تمل، عیسائی اپنی آزادی کے لیے لڑے تو مجاہدِ آزادی اور مسلمان لڑے تو آتنگ وادی، مسلمانوں کی دلآزاری، توہین رسول ﷺ، قرآن، خانۂ کعبہ کی توہین جیسے ابوغریب اور گوانٹاناموبے اور وشوروپم وغیرہ میں کی گئی وہ حق اظہار آزادی ہے؛ مگر ''شیواجی'' فلم پر پابندی، واٹر کی شوٹنگ نہ ہونے دینا، ہولوکاسٹ پر سوال کھڑے کرنا، مشہور تاریخ داں D. Irvim کو آسٹریا کی عدالت سے ۳ سال کی سزا اور جرمانہ ہونا منافقت ہے یا حقِ اظہار رائے۔ جب ہر نظام اپنی حفاظت کے انتہائی اقدامات اٹھا کر خطرہ بننے والوں قصابوں سے نپٹ رہا ہے تو اسلام کو یہی حق دفاع کیوں نہیں ملنا چاہیے؟

❁ ❁ ❁

موبائل کی کہانی خود اس کی زبانی

از: مولانا عمران پٹیل فلاحی
استاذ جامعہ قاسمیہ عربیہ، بھروچ

قابلِ قدر و قابلِ رشک طلبۂ کرام!

آپ تمام حضرات مجھ بے روح ڈھانچہ کو بہت قریب سے جانتے ہیں؛ بلکہ کچھ بعید نہیں کہ عین اس وقت بھی میرے بارگراں سے آپ کی سفید قبا بوجھل ہورہی ہوگی؛ یقیناً مجھ جیسے ''برائیوں کے پلندے'' اور ''بدنام زمانہ'' کی کیا مجال کہ آپ جیسے نیک منش، سفید پوش و دستار بند علم و فضل سے آراستہ تقوی و پرہیز گاری سے پیراستہ بزرگوں کے سامنے کچھ لب کشائی کرسکوں! اور ویسے بھی مجھے اپنے دلداروں اور عاشق زاروں کی خدمت گذاری سے فرصت کہاں؟ لیکن بڑی مشکل سے ہمت جٹا کر موقع نکال کر اپنی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے "وشهد شاهد من اهلها" اور "وشهدوا على انفسهم" کا نمونہ بنتے ہوئے کچھ کھری کھری اور دوٹوک باتیں آپ ''طالبانِ علومِ نبوت'' کی خیر خواہی و محبت میں آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ دل کے کانوں سن کر عبرت حاصل کریں گے۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

حضرات! میری شخصیت کے کچھ مثبت پہلو یقیناً ایسے ہیں جن کی افادیت سے کسی کو شاید ہی اختلاف ہو! مثلاً میں مشرق و مغرب کے فاصلوں کو چشمِ زدن میں سمیٹ لیتا ہوں، میری برقی لہریں ہوا کے دوش پر سوار رہ کر حیاتِ انسانی کو ہمہ وقت متحرک و فعال رکھتی ہیں، میں آڑے وقت میں لوگوں کے کام نکالتا ہوں؛ مگر بایں ہمہ میں اپنے چھوٹے سے وجود میں سینکڑوں برائیوں کا ایک طوفان بلاخیز لیے پھرتا ہوں؛ جس کی زد میں آکر بے شمار لوگ ہلاکت و بربادی کی نذر ہوچکے ہیں اور ان پر "خسر الدنيا والآخرة" کی مہر لگی چاہتی ہے، ان ہی ہلاکت خیزیوں کے باعث مجھے خواہی نہ خواہی یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں "واثمهما اكبر من نفعهما" کا صد فی صد مصداق ہوں؛ تو لیجیے! آپ کی قیمتی وقت ضائع کیے بغیر مشتے از خروارے کے طور پر اپنی چند فتنہ سامانیاں آپ

کی خدمت میں عرض کرتا ہوں؛ میری حقیقت سے نقاب کشائی کے لیے یہی بہت کافی ہیں۔

﴿۱﴾ میں اپنے اندر عریانیت و بے حیائی کے وہ مناظر رکھتا ہوں جن سے بے شمار شریف کہے جانے والے لوگوں کی قبائے حیا تار تار ہوکر رہ گئی ہے۔

﴿۲﴾ بہت سے وہ لوگ جو اپنے خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے خلوتیں تلاش کرتے تھے وہ میرے دام تزویر میں ایسے پھنسے کہ اب وہ میری ہی معیت و رفاقت کی شراب سے اپنے کام و دہن کی لذت کا سامان کرنے لگے ہیں، اور شیطان ان پر قہقہے لگا رہا ہے۔

﴿۳﴾ بہ ظاہر میں خاکی پتلے کا غلام اور انسانی انگلیوں کا تابع ہوں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے قلب و دماغ پر میری حکومت و بالادستی کا ڈنکا بجنے لگا ہے، میری اداؤں کا جادو ان کے جسم و جان پر چھائے جا رہا ہے، جس سے مسحور ہوکر لاکھوں انسان اپنے مقصد و ہدف سے غافل ہو چکے ہیں اور میرے عشق میں ڈوب کر افکارِ پریشاں اور احوالِ پراگندہ کو اپنی تقدیر بنا چکے ہیں۔

﴿۴﴾ جس طرح ملک ہندوستان ''اکّال الامم'' کہلاتا ہے، اسی طرح آپ مجھے ''اکّال الاوقات'' کہہ سکتے ہیں، اِس لیے کہ اب تک میں نوعِ انسانی کے بیش بہا اوقات کا اتنا بڑا حصہ ضائع کر چکا ہوں، جس کے شمار سے مشینیں عاجز ہیں، اگر وہی لمحے تعمیری و مفید کاموں میں صرف کیے جاتے تو دینی و دنیوی ترقی کی ان گنت منزلیں سر کی جاسکتی تھیں۔

﴿۵﴾ میرا ایک اہم مشن مسلمانوں کی جیبوں سے اِسلامی تشخص کی حامل اشیاء کا بوجھ ہلکا کرنا ہے؛ چنانچہ جس جیب میں میرا آشیانہ ہوتا ہے وہاں سے تسبیح و مسواک اور ٹوپی جیسی گراں قدر چیزیں رخصت ہو جاتی ہیں، یہی نہیں؛ بلکہ بہت ساری جیبوں سے روپیوں کا بوجھ بھی کم کر دیتا ہوں؛ چنانچہ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ میری برکت سے آپ کے اولیاء کی حلال و پاکیزہ کمائی ''ریچارج'' اور ''انٹرنیٹ پیک'' کے سانچوں میں ڈھل کر بڑی آسانی سے فضاءِ آسمانی میں بکھر جاتی ہے۔

﴿۶﴾ آپ میری زہرناکی کا اندازہ اِس سے لگا سکتے ہیں کہ اب تک ہزاروں مرد و عورت کے درمیان ان گنت ناجائز بے حجابانہ تعلقات قائم کرنے میں میرا کردار کلیدی رہا ہے، کتنی ہی باحیاء دوشیزائیں میرے توسّط سے بے حیائی میں مبتلا ہوکر اپنے دامنِ عصمت کو داغ دار کر بیٹھی ہیں، اُن کے اولیاء کے لیے رسوائی کے مارے گھر سے باہر قدم نکالنا دوبھر ہو چکا ہے، بے شمار شادی شدہ خواتین میرے ذریعہ غیروں کی آشنائی کا شکار ہوئی ہیں، اُن کے ہنستے کھیلتے خاندان اجڑ گئے، کتنے ہی شوہر محض میرے وجود کی نحوست سے اپنی رفیقۂ حیات سے بدگمان بنے ہوئے ہیں۔

﴿۷﴾ اور سنیے! میری اسکرین پر فحش فلموں اور عریاں تصویروں کے مزے لے کر بہتیرے

بچے قبل از وقت غیر فطری طور پر بلوغ کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں، جب کہ لاتعداد نوجوان شہوانی خیالات سے بے قابو ہوکر ایسی حرام کاریوں میں مبتلا ہیں کہ بس، ...خدا کی پناہ! اب اُن کے کھاتے میں کبیرہ گناہوں اور بہہ جانے والی جوانی پر لاحاصل حسرتوں کے سوا کچھ نہیں بچا، شیطان اترا تا پھر رہا ہے کہ اُس نے نوجوانِ مسلم کو جو کبھی سیف وسنان کا دھنی ہوا کرتا تھا طاؤس ورباب کا رسیا بنا کر چھوڑا ہے۔

﴿۸﴾ اور ہاں! میرا حلقۂ اثر اِس حد تک وسیع ہو چکا ہے کہ مسجدیں، خانقاہیں، دینی مراکز اور مؤقر جلسے بھی میرے زیر اثر آچکے ہیں، میں نے نمازیوں کا خشوع غارت کر دیا، خلوت گزیں صوفیوں کی خلوتوں پر ڈاکے ڈالے، ذاکرین کے ذکر میں رخنے ڈال کر اُسے بے حقیقت بنایا، طلبہ سے توجہ وانہماک چھین کر اُنھیں علم کی لازوال دولت سے محروم ہونے پر مجبور کر دیا، پروقار دینی مجلسوں کی سنجیدگی ومتانت کو اپنے دل کش ترانوں سے منتشر کر دیا۔

سفینۂ امت کے ملاّحو! آپ ہی بتایئے کہ کیا زندگی کا کوئی شعبہ بھی بچا ہے جسے میں نے اپنی فن کاریوں سے فساد اور بگاڑ کی آماجگاہ نہ بنایا ہو؟ عزیز طلبہ! مذکورہ تلخ حقائق خود میری زبانی سننے کے بعد بھی کیا آپ جیسے غیرت مند لوگوں کی رگِ حمیت حرکت میں نہیں آرہی ہے؟

میرے پیارو! آخر کوئی تو وجہ ہے کہ بہت ساری عصری تعلیم گاہوں نے، جن کا منتہاءِ مقصود دنیا اور مادّہ ومعدہ کے سوا کچھ نہیں۔ میری تخریب کاریوں سے عاجز آکر مجھے اپنے اِحاطوں سے باہر ڈھکیلنے پر اتفاق کر لیا ہے، عصری تعلیم میں مشغول بے شمار دور اندیش اور سود وزیاں سے باخبر طلبہ مجھے اپنا دشمن جان کر دور ہی سے سلام کرنے لگے ہیں؛ تاکہ اُن کی تعلیم کا حرج نہ ہو؛ لیکن ہائے افسوس! پیارے بھائیوں! میرا کلیجہ منھ کو آتا ہے، جب میں یہ روح فرسا منظر دیکھتا ہوں کہ آپ جیسے سفید پوش طلبۂ علمِ دین کے حصول سے غافل وبے زار ہوکر مجھے اپنے ہاتھوں کی زینت بنائے ہوئے ہیں، اور میرے وجود میں گم ہوکر اپنے خوابوں کی دنیا تلاش کرتے ہیں، اِس وقت میرا دل کڑھتا ہے، میری بے کلی بے چینی کی کوئی انتہا نہیں رہتی، اور بے ساختہ یہ دعا، زبان پر آجاتی ہے کہ بارِ الٰہی! مجھے اِس ہونہار طالب علم ﴿جسے دنیا مہمانانِ رسول کے مقدس نام سے جانتی ہے﴾ کی ہلاکت وبربادی کا ذریعہ نہ بنا، خدایا! اگر یہ ضائع ہوگیا تو تیرے حبیب کی امت کے رِستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنے والا کون رہ جائے گا؟

مجھے اُمید ہی نہیں؛ بلکہ یقین ہے کہ آپ جیسے مہمانانِ رسول (ﷺ) کی مخلصانہ آمین سے یہ دعا، ضرور قبول ہوگی۔

تعارف وتبصرہ

نام کتاب : چند اہم عصری مسائل
مرتب : حضرت مفتی زین الاسلام قاسمی الہ آبادی زید مجدہٗ
مفتی دارالعلوم دیوبند
تعدادِ صفحات : (۳۹۲) قیمت: (درج نہیں)
سن اشاعت : ۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲ء
ناشر : مکتبہ دارالعلوم دیوبند
تبصرہ نگار : مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند

اسلام ایک جامع شریعت ہے، اس میں قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے، فقہائے کرام کا امت پر احسان ہے کہ انھوں نے ہر طرح کے مسائل حل کرنے کے لیے دو طریقے اختیار کیے، ایک تو پیش آنے والے مسائل کو عقلی اور فرضی صورتیں بنا کر احکام کی صراحت کردی؛ تاکہ آئندہ اگر وہی شکلیں پیش آجائیں، تو ان کے احکام پہلے سے ہی دریافت رہیں۔ دوسرا طریقہ یہ اپنایا کہ قرآنی آیات یا احادیث کو سامنے رکھ کر کچھ قواعد اور اصول بنادیے؛ تاکہ پیش آمدہ جزئیات کو ان پر منطبق کیا جاسکے؛ کیوں کہ ہر ہر جزئیہ کو آیات واحادیث میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث میں صراحت ہے اور جزوی صراحت کے ساتھ ہر بات کا ذکر ممکن بھی نہیں ہے۔ آج تک فقہائے کرام نئے مسائل کو یا تو فقہی نظائر پر منطبق کرکے حل کرتے ہیں؛ یا فقہی اصول وقواعد سے احکام نکالتے ہیں اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

دارالعلوم دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مرجع بنایا ہے، روزانہ سوالوں کا ایک

انبار دارالافتاء میں رہتا ہے، مفتیانِ کرام جواب لکھتے رہتے ہیں، حضرت مفتی زین الاسلام قاسمی زید مجدہٗ نے اپنے ہزاروں فتاویٰ میں سے چند اہم ضروری اور عصری مسائل کو منتخب کرکے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے؛ تاکہ عام مسلمانوں کے لیے استفادہ آسان ہوجائے۔

مرتب گرامی قدر نے اسے ترتیب دے کر پہلے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب زید مجدہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو پیش کیا، انھوں نے دیکھا اور مؤقر مجلسِ شوریٰ سے منظوری لی، پھر اس پر مقدمہ تحریر فرمایا، مہتمم صاحب زید مجدہٗ کا قیمتی مقدمہ جہاں مرتب کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، وہیں اس سے کتاب کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے؛ اس لیے کہ موصوف کا موضوع بھی فقہ ہے۔

اس فقہی مجموعہ میں سارے فقہی مسائل کے صحیح اور قابلِ اعتماد ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کے مسائل پر موجودہ سارے مفتیانِ دارالافتاء کی تصدیق موجود ہے، بعض پر سابق مفتی حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط بھی ہیں۔ یہ فتاویٰ دارالافتاء سے جاری کیے جاچکے ہیں۔

یہ فقہی مجموعہ اس وجہ سے بھی مستند ہے کہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے بالاستیعاب دیکھ لینے کے بعد ہی مکتبہ دارالعلوم سے طباعت کی اجازت دی ہے۔ حضرت نے پوری کتاب کو نہایت ہی گہرائی سے دیکھنے کے بعد تقریظ تحریر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''میں نے یہ تمام فتاویٰ بالاستیعاب پڑھے ہیں، ماشاء اللہ سبھی فتاویٰ کافی وافی اور شافی ہیں اور حوالوں سے مدلل ہیں۔''

اس مجموعۂ فتاویٰ میں نہایت قیمتی قیمتی عناوین ہیں جو وقت کی اہم ضرورت ہیں، مثلاً: ایک ہی فقہی مسلک کی پیروی ضروری کیوں؟ ڈاکٹر ذاکر نائک ایک ناقابلِ اعتبار شخصیت، سوتی موزوں پر مسح، نماز کے لیے پتلون کو موڑ لینا، کرسی پر نماز، بے ٹوپی کے نماز، صحتِ قربانی کے لیے قربانی کرانے والے اور قربانی کرنے کی جگہ، دونوں میں قربانی کا دن ہونا ضروری، آج کل نکاح میں کفاءت، اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہوجائے تو وراثت اور بچوں کی پرورش، خواتین کی ڈرائیونگ، خواتین کی ملازمت، سودی رقم سے ہاؤس ٹیکس اور انکم ٹیکس، انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے انشورنس کرانا، ڈیجیٹل تصویر، آپریشن کے ذریعہ مرد کا عورت اور عورت کا مرد بننا، فیملی پلاننگ کی رائج شکلیں، کیو، ٹی، وی کا پروگرام، اسی طرح ایک اہم مسئلہ جس کی

طرف مولانا نے توجہ دلائی ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے سلسلے میں اپنے موقف سے رجوع فرمالیا تھا (دیکھیے ص ۸۱) اس طرح کے بہت سے اہم مسائل سے کتاب لبریز ہے، مطالعہ کے دوران ایک چیز محسوس ہوئی کہ گرامی قدر مرتب کی زبان کہیں کہیں اردوئے معلیٰ معلوم ہوتی ہے، اردو میں عربی تراکیب اور غیر مانوس عربی الفاظ بھی خوب استعمال کرتے ہیں، جس سے زبان عوام کی گرفت سے باہر ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آج کل آسان؛ بلکہ بہت ہی آسان زبان لکھنی چاہیے، اس سے دائرۂ افادہ بڑھتا ہے، فتویٰ نویسی میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور دیگر بزرگوں کی زبان نمونہ ہیں، وباللہ التوفیق!

❁ ❁ ❁